دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۱	رجب ۱۴۳۸ھ مطابق اپریل ۲۰۱۷ء	شمارہ: ۴

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 101, Issue No. 4, April 2017 अप्रैल 2017
Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
Owner :- Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	اسلام بیزار طبقہ اور ہماری ذمہ داری	محمد سلمان بجنوری	۳
محاسن اسلام	اسلام اور تکثیری سماج	مفتی محمد ساجد قاسمی ہردوئی	۸
اسلامی تہذیب	لباس کے شرعی وطبعی تقاضے اور تشبہ کا المیہ	محمد حمزہ منصور	۱۴
خدمات دیوبند	قومی یکجہتی کی تفہیم وتوسیع میں علمائے دیوبند کا کردار	مولانا ابرار احمد قاسمی اجراوی	۱۹
افکار ومسائل	اولیاء کرام کی کرامات پر اتفاقِ امت	مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی	۲۶
	حقوق نسواں، دورِ حاضر کے پرفریب نعرے اور....	مولانا اسرار الحق قاسمی	۳۲
یادرفتگاں	مولانا کفیل احمد علوی	مولانا نایاب حسن قاسمی	۳۵
مسائل وفتاویٰ	مسجد میں بیان کا حکم، بچوں کی تادیب کا مسئلہ	مفتیان کرام دارالعلوم دیوبند	۳۹
رابطۂ مدارس	دارالعلوم دیوبند میں رابطۂ مدارس کی مجلس عاملہ	مولانا شوکت علی قاسمی بستوی	۴۱
احوال وکوائف	دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کا اجلاس	مولانا محمد اللہ قاسمی	۴۷
وفیات	مولانا کفیل احمد علویؒ ناظم شیخ الہند اکیڈمی کا انتقال	مولانا محمد اللہ قاسمی	۴۸
نئی کتابیں	کلیات کاشف	محمد سلمان بجنوری	۵۰

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- ہندوستان وپاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

اسلام بیزار طبقہ اور ہماری ذمہ داری

محمد سلمان بجنوری

گذشتہ دنوں، مسلم نام کے حامل ایک پاکستان نژاد شخص (طارق فتح) کی ہندوستان آمد ہوئی، جس نے اپنی اسلام مخالف اور مسلم دشمن ناپسندیدہ سرگرمیوں سے وطن عزیز کے ماحول کو خراب کیا اور مسلمانوں کے لیے مسائل کھڑے کرنے کی کوشش کی۔ ''فتح کا فتویٰ'' نام سے زی، ٹی وی پر چلنے والے اس کے پروگرام نے فضاء کو بڑی حد تک مسموم کیا؛ لیکن ہمارے علماء اور دین پسند نوجوانوں نے اس فتنے کا مقابلہ مختلف سطحوں پر کیا، بعض فضلاء نے دورِ جدید کے وسائل کا سلیقہ سے استعمال کرکے اس کا کامیاب تعاقب کیا۔ اب اگرچہ یہ شخص ہندوستان سے جاچکا ہے؛ لیکن یہ سوال تو بہرحال ہمارے سامنے کھڑا ہے کہ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے، ذیل کی سطور میں اسی پس منظر کو سامنے رکھ کر چند ضروری باتیں عرض کی گئی ہیں۔ (مدیر)

اسلامی تعلیمات پر حملہ کرنے والے اور مسلمانوں کی تصویر بگاڑنے والے افراد، خواہ مسلم نام کے حامل ہوں اور مسلم خاندانی پس منظر رکھتے ہوں یا باضابطہ غیر مسلم پس منظر اور غیر مسلم نام کے حامل ہوں، ان دونوں قسم کے لوگوں کی زہرناکی تقریباً یکساں ہے؛ بلکہ بسا اوقات مسلم نام والے زیادہ بڑے نقصان کا سبب بن جاتے ہیں، خصوصاً اس لیے کہ مسلم نام کے ساتھ کافرانہ کردار، مسلمانوں میں اشتعال پیدا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب میں ہمارے یہاں، اس گھناؤنے کردار کے حوالے سے، سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور اب طارق فتح جیسے لوگ زیادہ جانے گئے یا بدنام ہوئے؛ جب کہ اسی دور میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں بہت سے لوگوں نے یہی کردار ادا کیا۔ مثلاً اسلام کو ایک برائی قرار دینے والا امریکی پادری فرینکلن گراہم حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی شان میں گستاخی کرنے والا پادری جیری فال ویل اور اسی قسم کی ہفوات بکنے والا وٹیکن کا پوپ بینڈ یکٹ شانزدہم وغیرہ۔

اس سلسلے میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی فتنہ انگیزی کے جواب میں عام طور پر ہمارا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ ہم وقتی کارروائیوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً احتجاج کرتے ہیں، حکومتوں سے اُن پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ اقدامات ہماری ایمانی غیرت کا تقاضا بھی ہیں اور اس فتنے کے وقت کی ضرورت بھی؛ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اقدامات اصل مسئلہ کے حل کے لیے قطعی طور پر ناکافی ہیں اور اس کی وجہ سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ ہمارے یہ اقدامات وقتی اور عارضی ہوتے ہیں؛ جب کہ یہ مسئلہ مستقل اور دائمی ہے۔

دراصل یہ حق و باطل کی ایک رزمِ مسلسل ہے جس کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب اللہ کی طرف سے حق اپنی آخری اور کامل و مکمل شکل میں اسلام کے نام سے آیا، اس وقت اسلام کی مخالفت کا ایک سلسلہ تو کفار و مشرکین کی جانب سے براہ راست شروع ہوا؛ لیکن ایک دوسرا سلسلہ یہود و نصاریٰ کی جانب سے شروع ہوا جو اس قدر کھلا اور سیدھا مقابلہ نہیں تھا؛ بلکہ آج کل کی زبان میں بڑی حد تک پراکسی وار (غیر راست جنگ) کی حیثیت رکھتا تھا؛ لیکن دنیا کے مزاج کے مطابق یہی زیادہ خطرناک اور دوررس تھا، یہود و نصاریٰ نے ابتدائی دور میں عمومی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف راست جنگ سے گریز کیا؛ مگر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا، انھوں نے اسی دور سے اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانے، قرآن کے بارے میں شک پیدا کرنے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش ایک مہم کے طور پر جاری رکھی، اس مہم نے تاریخ کے ایک موڑ پر تحریکِ استشراق کی شکل اختیار کی اور اب جہاں کہیں بھی اس ذہنیت کے افراد یا تحریکات سامنے آتی ہیں وہ اسی تحریک استشراق کے برگ و بار اور اسی کلی کے جزئیات ہیں۔

اب ظاہر ہے، ایک مسلسل تحریک کا مقابلہ وقتی اقدامات سے تو نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اس میدان میں منصوبہ بندی کے ساتھ جہد مسلسل کا آغاز کیا جائے۔

اس موقع پر ضروری ہے کہ تحریک استشراق پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ استشراق کے لفظی معنی تو ہیں: مشرق کو جاننے کی طلب یا شرق شناسی۔ اصطلاحی اعتبار سے استشراق کی مختلف

تعریفات کی گئی ہیں جن کا آسان خلاصہ یہ ہے کہ اہل مغرب یعنی یورپین لوگوں کا، مشرق کے عقائد، تاریخ، فنون اور تہذیب وثقافت کو جاننا اور اس کا مطالعہ کرنا، جس میں مرکزیت اسلام کے مطالعہ کو حاصل ہے۔ اسی سے لفظ مستشرق نکلا ہے، جس کا مفہوم ماہر علوم شرقیہ یا عالم مشرقیات ہے۔ تحریک استشراق کا آغاز کب ہوا؟ یا سب سے پہلے مستشرق کا لفظ کب اور کس کے لیے استعمال ہوا؟ اس میں مؤرخین کی آراء مختلف ہیں؛ لیکن اکثر حضرات کی رائے میں اس تحریک کا موجودہ مفہوم میں آغاز دسویں صدی عیسوی میں ان یورپین راہبوں سے ہوا جنھوں نے مشرقی علوم وفنون کے حصول کے لیے اندلس کا سفر کیا، جن میں جربرٹ آف اورے لیک، پطرس المحترم اور ریمنڈ مارٹن کے نام شامل ہیں؛ لیکن ہمارے لیے اس وقت اس تاریخی بحث سے زیادہ اہم اس تحریک کے مقاصد اور محرکات ہیں۔

تحریک استشراق کے مقاصد ومحرکات مؤرخین نے اپنے اپنے انداز سے بیان کیے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ استشراق کے محرکات وعوامل پانچ ہیں:

۱- **مذہبی**: یہ تحریک استشراق کا اصل محرک ہے کہ اسلام کا چہرہ مسخ کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں تشکیک پیدا کرکے مسلمانوں کو بھی اسلام سے دور کیا جائے اور عیسائیوں کو بھی اسلام کی طرف آنے سے روکا جائے، اس نوع کے مستشرقین میں اہم نام یہ ہیں: گولڈزیہر، نولڈیکے، رچرڈ بیل، ربجس بلیشے اور ولہاؤزن وغیرہ۔

۲- **استعماری**: انیسویں صدی میں عالم اسلام کا اکثر حصہ مغربی استعمار کے ماتحت ہوگیا تھا، اپنے اس غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے مشرقی واسلامی علوم وفنون کا استعمال کیا، نیز اس کے لیے قدیم قومیتوں کو ابھارا گیا جیسے مصر میں فرعونیت اور لبنان، فلسطین اور سوریا کے علاقوں میں فینیقیت تاکہ اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کیا جاسکے۔

۳- **تجارتی**: اس میں عالم اسلام کے قدرتی وسائل پر قبضہ کی کوششیں شامل ہیں۔

۴- **سیاسی**: اس مقصد کے لیے عرب ملکوں میں مغربی ملکوں کے سفارت خانوں کے اندر اسلامی ومشرقی علوم وفنون کے ماہرین کو سکریٹری یا کلچرل اتاشی کے طور پر رکھا گیا؛ تاکہ وہ وہاں فتنہ انگیزی کرسکیں۔

۵- **علمی**: یہ محرک سب سے کم ہے؛ لیکن بہرحال کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اپنے علم میں اضافہ کی خاطر مشرقی واسلامی علوم وفنون کو حاصل کیا۔ اس جگہ یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ مقاصد کے اختلاف کے باوجود مستشرقین کی محنت سے بے شمار قدیم اسلامی علمی نوادر ومخطوطات

زیورطبع سے آراستہ ہوئے اوران پر بے شمار تحقیقی کام ہوئے؛ لیکن مجموعی طور پر اس تحریک کا رُخ اسلام مخالف ہی رہا۔

اس تحریک کے مقاصد میں بنیادی طور پر یہ چیزیں شامل ہیں:

۱-مسلمانوں کو اپنے نبی، قرآن، شریعت اور فقہ اسلامی کے بارے میں شبہات میں مبتلا کرنا۔

۲-مسلمانوں کا اپنے تہذیب وثقافت سے اعتماد اٹھانا۔

۳-عقائد وافکار میں کمزوری پیدا کرنا۔

۴-اخوتِ اسلامی کی روح کو کمزور کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے درج ذیل نکات پر بنیادی حیثیت سے کام کیا گیا:

۱-**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار**: اس کے لیے آپ کی شخصیت کو ہر طرح مجروح اور بدنام کرنے کی کوشش منظّم انداز میں کی گئی اور آج تک جاری ہے۔

۲-**قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کا انکار**: اس پر بھی تفصیل سے محنت کی گئی؛ تاکہ کسی طرح قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کو مشکوک بنایا جاسکے۔

۳-**اسلام کے دین سماوی ہونے کا انکار**: اس کے لیے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی کہ اسلام یہودیت وعیسائیت سے مستفاد ہے۔

ان تینوں مقاصد کے لیے وحی الٰہی کا بھی انکار کیا گیا یعنی یہ کہ آسمان سے کسی فرشتے کا وحی لے کر آنا، ایک وہم ہے جو بعض بیماریوں کا نتیجہ ہے۔اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

۴-**حدیث نبوی کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا**؛ تاکہ اس پر سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھ جائے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اکثر مستشرقین نے یہ کام ایک منصوبہ کے تحت کیے اور بعض اپنی ناقص معلومات کی بنا پر ان مقاصد کے لیے استعمال ہوئے۔

یہ تحریک استشراق پر ایک سرسری نظر ہے جس سے اس فتنہ کی سنگینی کا ہلکا سا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایک نہایت اہم بات یہ کہ ان مستشرقین کا کام عموماً چوں کہ مغربی زبانوں میں ہے؛ اس لیے ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے بھی اسلام کے بارے میں معلومات کا ذریعہ اکثر وبیشتر مستشرقین ہی کی کتابیں ہیں؛ اس لیے ان کی معلومات بھی اسلام کے بارے میں ناقص اور غلط فہمیوں سے پُر ہیں، جس کے نتیجے میں اس طبقہ کے زیادہ کج فکر لوگ سلمان رشدی یا طارق فتح بن جاتے ہیں اور

عام لوگ جدت پسند ہوجاتے ہیں۔

اب اندازہ لگایا جائے کہ اس درجہ منظّم تحریک جس کی پشت پر ہر دور میں حکومتوں کی طاقت اور وسائل رہے ہیں، اس کا مقابلہ کس درجہ منظّم انداز میں کرنے کی ضرورت ہے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ اس موضوع پر کوئی کام نہ ہوا، حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اخیر میں استشراق اور مستشرقین پر خاصا کام ہوا ہے، جس کا اندازہ کرنے کے لیے عربی میں شیخ مصطفیٰ سباعی کی ''الاستشراق والمستشرقون''، دکتور عبدالقہار داؤد عبداللہ العانی کی ''الاستشراق والدراسات الإسلامیه'' اور اردو میں ''اسلام اور مستشرقین'' (مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم ۷/جلدیں) اور ''اسلام اور مستشرقین'' مرتبہ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر کا مطالعہ مفید ہوگا۔ خود ہمارے اکابر دیوبند اور ان سے پہلے علماء امت کی کتابوں میں بڑا مواد موجود ہے جس سے اس موضوع پر کام کرنے میں مدد مل سکتی ہے اور بعض حضرات جیسے حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ وغیرہ نے باقاعدہ موضوع بنا کر اسلام کے دفاع کا کام کیا ہے؛ لیکن آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ان موضوعات پر مسلسل اور تفصیلی کام کیا جائے اور وہ عربی اور اردو کے علاوہ انگریزی اور دیگر یورپین زبانوں میں نیز ہمارے ملک کی زبان ہندی میں بھی ہو؛ تاکہ پوری وضاحت کے ساتھ حق کا پیغام عام ہوسکے۔ خاص طور سے فضلاء مدارس ان موضوعات پر محنت کرنے کی کوشش کریں کہ یہ خدمتِ دین کا وسیع ترین میدان ہے۔

اسی کے ساتھ وقتاً فوقتاً اٹھنے والے ان فتنہ گروں کے خلاف قانونی چارہ جوئی سے بھی گریز نہ کیا جائے؛ بلکہ اس پر روک لگانے کے لیے اپنے اپنے ملکوں میں قانون سازی کی بھی کوشش کی جائے۔

❁ ❁ ❁

اسلام اور تکثیری سماج

(۲/۱)

از: مفتی محمد ساجد قاسمی ہردوئی
استاذ تفسیر وادب دارالعلوم دیوبند

اسلام اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ تمام انسان، خواہ وہ کسی مذہب اور فکر سے تعلق رکھتے ہوں، اللہ کی مخلوق ہیں، وہ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور تمام فطری اوصاف میں شریک ہیں۔ ساتھ ہی وہ مذہبی، فکری، اعتقادی اور لسانی تنوع اور تکثر کو بھی ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کرتا ہے اور اس اختلاف وتنوع کو اللہ کی سنت قرار دیتا ہے۔

نیز وہ انسان اور انسانیت کا پورا احترام کرتا ہے اور خود برحق مذہب ہونے کے باوجود دیگر مذاہب، عقائد اور افکار کے وجود کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے؛ بلکہ ان کے ماننے والوں کو مکمل مذہبی آزادی بھی دیتا ہے، اور ان کے ساتھ رواداری کا معاملہ کرتا ہے۔ کسی قسم کے ٹکراؤ یا دباؤ کے بجائے اپنے ماننے والوں کو بقائے باہم کے اصول کا درس دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں یہودیوں کے ساتھ میثاق مدینہ کے ذریعے جس ''مشترک معاشرہ'' کی طرح ڈالی، وہ تکثیری سماج کا پہلا نمونہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ راشدہ، اموی، عباسی اور عثمانی دور میں اسلامی حکومتوں میں دیگر اہل مذاہب وعقائد کو مکمل مذہبی آزادی اور شہری حقوق حاصل رہے، جس کی نظیر دیگر مذہبی حکومتوں میں نہیں ملتی ہے۔

اسلام اور مشترکہ انسانی صفات

اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا؛ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿**یأیھا الناس إن کنتم فی ریب من البعث فإنا خلقناکم من تراب**﴾(۱) ترجمہ: اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ کیے جانے کے سلسلے میں شک میں ہو تو (غور کرو) ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالی نے تمام انسانوں میں روح ڈالی، اُن کو عزت بخشی، عقل وارادے سے نوازا اور عمدہ

اوصاف سے آراستہ کیا؛ تاکہ اس عالم کی تعمیر وترقی میں حصہ لیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿**الذی أحسن کل شیء خلقه، وبدأ خلق الإنسان من طین، ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین، ثم سواه ونفخ فیه من روحه، وجعل لکم السمع والأبصار والأفئدة قلیلاما تشکرون**﴾(۲) ترجمہ: جس نے ہر چیز کی بہتر تخلیق فرمائی، اورانسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا، پھر حقیر پانی کے قطرے سے اس کی نسل جاری فرمائی، پھراس کومکمل کیااوراس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، اورتمھارے لیے کان آنکھیں اوردل بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

اس لیے ہرانسان جس کے اندراللہ تعالی نے اپنی طرف سے روح پھونکی ہے، وہ عزت کا مستحق ہے اوراس کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے؛ البتہ اگراس کی طرف سے ظلم وزیادتی ہوتی ہے تو پورے انصاف کے ساتھ اسی کے بہ قدراس سے بدلہ لیا جائے گا اوراس میں حد سے تجاوز نہیں ہوگا۔

تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**والناس بنو آدم وخلق الله آدم من تراب**''(۳)۔ ترجمہ: تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اورآدم کواللہ تعالی نے مٹی سے پیدا کیا۔

تمام انسان جسمانی عقلی اورنفسیاتی صفات میں ایک دوسرے کے مانند ہیں، نیز اصل جذبات اورخواہشات میں سب یکساں ہیں، ایسانہیں ہے کہ ایک انسان پتھر سے بناہوا ہے، دوسرا لوہے سے اورتیسرا سونے سے؛ بلکہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہے اورخلقی اوصاف میں سب برابر ہیں۔ مذکورہ بالا آیات میں مشترکہ اوصاف مسلمان کو دوسروں سے قریب کرتے ہیں۔ علم نفسیات کے مطابق جن دو انسانوں کے درمیان جتنے زیادہ مشترکہ اوصاف ہوں گے، ان میں اتنا زیادہ قرب، ہم آہنگی اورشناسائی ہوگی۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ پیغام ملتا ہے کہ مسلمان دوسرے کو بحیثیت انسان قبول کریں؛ اس لیے کہ وہ انسانیت شریک بھائی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اسی انسانی اخوت کی بنیاد پر حضرت ہودعلیہ السلام کوقوم عاد کا بھائی فرمایا؛ چنانچہ فرمایا: ﴿**وإلی عاد أخاهم هودا، قال یقوم اعبدوا الله مالکم من إله غیره، أفلاتعقلون**﴾(۴) ترجمہ: اورقوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) انھوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمھارا کوئی معبود سوائے اس کے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ اسی طرح متعدد انبیاء علیہم السلام کوان کی قوموں کا بھائی فرمایا گیا۔

اسلام اور مذہبی وفکری تنوع

اس دنیا میں مختلف مذاہب افکار اور تصورات کے لوگ رہتے ہیں، یہ اختلاف اور تنوع اللہ تعالی کی مشیت وحکمت کے تحت ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿ومن آیاته خلق السموت والأرض واختلاف ألسنتکم وألوانکم إن فی ذلك لآیات للعالمین﴾(۵) ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی تخلیق، اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا اختلاف ہے، یقیناً اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿ولوشاء اللّٰه لجعلکم أمة واحدة ولکن یضل من یشاء ویهدي من یشاء، ولتسئلن عما کنتم تعملون﴾(۶) ترجمہ: اور اگر اللہ تعالی چاہتا تو تم لوگوں کو ایک ملت بنادیتا؛ لیکن جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ ایک اور آیت میں فرمایا: ﴿لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا ،ولوشاء اللّٰه لجعلکم أمة واحدة ولکن لیبلوکم فی ماآتاکم، فاستبقوا الخیرات﴾(۷) ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ بنایا اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک قوم بنادیتا؛ لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ وہ تم کو آزمائے اس میں جو تم کو عطا کیا، لہٰذا خیر کے کاموں میں سبقت کرو۔

مذکورہ بالا آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی کی حکمت اور مشیت اس مذہبی اور اعتقادی اختلاف کی متقاضی ہے، اور اس کا مقصد بندوں کا ابتلا اور آزمائش ہے۔ اس مضمون کی آیات اور احادیث مسلمانوں کو تعلیم دیتی ہیں کہ وہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ امن وسلامتی سے زندگی بسر کریں۔

اسلام میں انسان کا احترام اور اس کے حقوق کا تحفظ

اسلام، انسان کا بحیثیت انسان اس کے مذہب اور فکر وعقیدے سے قطع نظر احترام کرتا ہے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾(۸) ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو معزز بنایا۔ نیز اللہ تعالی نے اس کو مذہب وعقیدے کے حوالے سے آزادی عطا فرمائی؛ چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿لاإکراه فی الدین﴾(۹) ترجمہ: مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں؛ چنانچہ اس نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی، مثلہ (انسان کے ناک کان کاٹنے اور شکل بگاڑنے) سے منع کیا، ستانے اور خوف زدہ کرنے سے روکا، اس کی عزت وآبرو، حقوق، جائیداد کو اہمیت دی۔ تمام انسانوں کو برابر قرار دیا؛ البتہ ان میں فرق مراتب ''عمل صالح'' کی بنیاد پر رکھا۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿یأیها

الناس إنا خلقناکم من ذکرو أنثی وجعلناکم شعوباو قبائل لتعارفوا إن اکرمکم عند الله أتقاکم﴾(۱۰) ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو مرد وعورت (آدم اورحوا) سے پیدا کیا، اورتم کو قوموں اورقبیلوں میں تقسیم کیا؛ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم سے زیادہ تقوے والا اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہے۔

اسلام میں انسان کے احترام کا یہ عالم ہے کہ وہ مردہ شخص کے احترام کا بھی حکم دیتا ہے۔ روایت ہے کہ سہل بن حنیف اورقیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، تو وہ دونوں کھڑے ہوگئے، ان کو بتایا گیا کہ یہاں کے کسی ذمی کا جنازہ ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہوگئے، آپ کو بتایا گیا کسی یہودی کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں ہے؟(۱۱)

نیز اسلام کسی کو مذہب اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے خواہ وہ کسی مسلمان کا بیٹا کیوں نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ابن الحصین انصاری کے دولڑکے تھے جو ہجرت سے پہلے عیسائی مذہب اختیار کرکے شام چلے گئے۔ پھر وہ مدینہ واپس آئے، تو انھوں نے ان دونوں سے مذہب اسلام میں داخل ہونے کے لیے اصرار کیا، ان دونوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ وہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ کے پاس لے کر آئے؛ تاکہ آپ انھیں اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کریں، ان کے والد کا کہنا تھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میرا لخت جگر میری آنکھوں کے سامنے جہنم میں جائے گا؟ چنانچہ اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿**لا إکراہ فی الدین**﴾(البقرۃ:۲۵۶) ترجمہ: مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ پھر انھوں نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔(۱۲)

تاریخ کا پہلا تکثیری سماج اوراس کا دستور

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد پہلی اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں معاشرے کو دولحاظ سے مضبوط کیا:

(۱) مسلمانوں میں اخوت کا رشتہ استوار کیا؛ چنانچہ انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے مال اور جائیداد میں شریک کیا۔

(۲) مدینہ میں رہنے والے مسلمان اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے مدینہ کے تمام شہریوں کو حقوق وفرائض میں مساوی حیثیت دی گئی۔ اور مدینے کا دفاع سب کی مشترکہ ذمے داری رکھی گئی۔

قریش اور دیگر قبائل اس نومولود حکومت سے برسر پیکار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ، اسلام اور اس اسلامی حکومت کا دفاع کرتے تھے، ساتھ ہی اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے اور ان سے معاہدے بھی کرتے تھے؛ لیکن وہ کسی بھی عہد و پیمان کی پابندی نہیں کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُر امن بقائے باہم کے لیے مدینے میں ایک ''مشترک معاشرہ'' قائم کیا، آپ نے اس کے لیے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، یہ شہری حقوق اور مذہبی آزادی کے حوالے سے تاریخ کا پہلا معاہدہ تھا، جس میں یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی تھی اور ان کے دفاع اور تحفظ کی ذمے داری لی گئی تھی؛ لیکن یہودیوں نے اس معاہدے کی پابندی نہیں کی؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک قتل کرنے کی سازش بھی رچی، اور اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے برسر پیکار قریش اور مشرکین سے رابطہ کیا اور ان کو جنگ کے لیے اکسایا، اور جنگ احزاب کے موقعے پر مسلمانوں کے خاتمہ کا پروگرام بنایا، اس طرح وہ سنگین جرم کے مرتکب ہوئے اور اس کے نتیجے میں سنگین سزا کے مستحق ٹھہرے۔

یہ معاہدہ ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے جن میں سے اکثر دفعات کا تعلق یہودیوں سے ہے، معاہدہ کے مشمولات مذہبی آزادی، حقوق کا تحفظ، جان و مال کا تحفظ، بیرونی حملہ آور دشمن کا مقابلہ، باہمی ہمدردی، کسی اختلافی معاملے کے حل کا طریق کار، مصالحت کا دائرہ اور اختیارات تھے۔

میثاق مدینہ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے لیے شہری حقوق کے حوالے سے متعدد دستاویزات جاری فرمائیں۔ آپ نے غزوۂ تبوک کے بعد نجران کے عیسائیوں کے لیے ایک دستاویز لکھی جو انصاف، رواداری اور مذہبی آزادی کی آئینہ دار ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مذہبی آزادی اور مکمل تحفظ دیا اور ان پر بہت معمولی جزیہ مقرر کیا، آپ نے تحریر فرمایا: ''**ولنجران وحاشيتهم جوار الله... ولايؤخذ أحد منهم بظلم آخر، وعلى مافى هذه الصحيفة جوار الله، وذمة النبى صلى الله عليه وسلم أبدا حتى يأتى الله بأمره إن نصحوا وأصلحوا فيما عليهم**'' (۱۳) ترجمہ: اہل نجران اور ان کے قرب و جوار کے لوگوں کے لیے اللہ کی پناہ ہے... ان میں سے کوئی دوسرے کے ظلم کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوگا، متعلقہ دستاویز کے مطابق ہمیشہ اللہ کی پناہ اور نبی کا عہد رہے گا؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے، اگر وہ اپنے اوپر عائد ذمے داریوں کے بارے میں خیر خواہی اور بھلائی سے کام لیں۔

یہود کی جانب سے مدینے میں معاہدے کی خلاف ورزی کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جزیرے کے شمال میں واقع یہودی بستیوں کو امن وتحفظ کے لیے دستاویزات لکھ کر دیں۔ آپ نے یہودیوں کے قبیلے بنی جنبہ کو دستاویز لکھ کر دی، جس میں تحریر فرمایا: ''**أمابعد فقد نزل علی رسلکم راجعین إلی قریتکم، فإذا جاءکم کتابی هذا فإنکم آمنون لکم ذمة اللّٰه وذمة رسوله، وإن رسول اللّٰه غافر لکم سیئاتکم، ولاظلم علیکم ولاعدی، وإن رسول اللّٰه جارکم ممامنع منه نفسه، وأن علیکم ربع ما أخرجت نخلکم، فإن سمعتم وأطعتم فإن علی رسول اللّٰه أن یکرم کریمکم و أن یعفو عن مسیئکم، وأن لیس أمیرکم إلا من أنفسکم، أومن أهل رسول اللّٰه**''(۱۴) ترجمہ: حمد وصلاۃ کے بعد تمہارے قاصد اپنی بستی کو واپسی پر ہمارے یہاں فروکش ہوئے، جب تم کو میری یہ تحریر مل جائے تو تم مامون ہو، تمہارے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے، رسول اللہ تمہاری غلطیوں کو معاف کررہے ہیں، تمہارے اوپر کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہیں ہوگی، رسول اللہ جن چیزوں سے اپنا تحفظ کریں گے ان سے تمہارا بھی تحفظ کریں گے، تمھارے ذمے کھجوروں کی پیداوار ہے، اگر تم سمع وطاعت سے کام لوگے تو رسول اللہ تمہارے معزز لوگوں کی عزت کریں گے اور خطاوار کو معاف کردیں گے، تمہارے اوپر امیر تم میں سے مقرر کیا جائے گا یا رسول اللہ کے لوگوں میں سے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی قبائل بنی غادیا، أہل حربار، اور أذرح کے لیے دستاویزات تحریر فرمائیں، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی جماعتوں کو اسلامی ریاست کا شہری قرار دیا۔ جو اپنے اوپر مقرر ٹیکس ادا کرتے تھے اور اسلامی ریاست کے اقتدار اور امن وامان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ (باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

حواشی

(۱) الحج:۵۔ (۲) السجدۃ:۷/۹۔ (۳) سنن الترمذی کتاب التفسیر مع تحفۃ الأحوذی ۹/۱۵۵۔
(۴) الأعراف:۶۵۔ (۵) الروم:۲۲۔ (۶) النحل:۹۳۔ (۷) المائدۃ:۴۸۔
(۸) الإسراء:۷۰۔ (۹) البقرۃ:۲۵۶۔ (۱۰) الحجرات:۱۳۔ (۱۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۲۵۰۔
(۱۲) تفسیر طبری مطبوعہ بیروت، تحقیق علامہ احمد شاکر ۳/۲۲۲۰۔
(۱۳) الطبقات الکبری ابن سعد ۲/۱/۳۶، ۸۴۔۸۵۔
(۱۴) طبقات ابن سعد ۱/۲/۲۸۔۳۰۔

❁ ❁ ❁

لباس کے شرعی وطبعی تقاضے اور تشبہ کا المیہ

از: محمد حمزہ منصور
کراچی، پاکستان

نبی کریم ﷺ کے لباس اور آپ کی وضع قطع پر قومیت اور وطنیت کے بجائے اتباعِ انبیاء کا غلبہ تھا، ذخیرہ حدیث میں ''کتاب اللباس'' اور ''شمائل نبوی'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے لباس اور عادی طور وطریقوں میں بھی انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع اور وحی و الہام کا عنصر شامل تھا، عرب میں قدیم زمانے سے چادر اور تہہ بند کا دستور چلا آ رہا تھا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا لباس تھا، جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے آذربائجان کے عربوں کو حلہ (ازار اور چادر) پہننے کی یہ کہہ کر ترغیب دی کہ وہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا لباس ہے۔

أما بعد، فاتزروا وارتدوا وانتعلوا وألقوا الخفاف والسراويلات وعليكم بلباس أبيكم إسماعيل وإياكم والتنعم وزى العجم (فتح الباری لابن حجر ۲۸۶/۱۰، باب لبس الحریر، ط؛ دارالمعرفہ، بیروت)

نیز اللہ کے نبی طبعی آداب میں بھی وحی اور الہام سے خالی نہیں ہوتے؛ بلکہ اللہ کی وحی اور اس کے حکم سے قوم کو عقائد، اخلاق، اعمال، عبادات، اور معاملات سب کے متعلق ہدایت جاری کرتے ہیں؛ یہاں تک کہ بول و براز (پیشاب، پاخانہ) کے آداب بھی ان کو سکھاتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ نبی عام لوگوں کے رسم ورواج کی پیروی پر اکتفار کریں۔

حضور ﷺ نے لباس کے متعلق بھی احکام جاری فرمائے یہاں تک کہ مسلمانوں اور کافروں کے لباس میں امتیاز ہوگیا، آحادیثِ نبویہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کافروں کی مشابہت سے ممانعت فرمائی ہے اور ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے، اور جو لباس دشمنانِ خدا سے مشابہت کا سبب

بنے ایسے لباس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس. (سنن ترمذی ۱/۴۴۱، باب العمائم علی القلانس، ط؛ رحمانیہ)

ترجمہ: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم عمامہ ٹوپیوں پر باندھتے ہیں۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ....من تشبه بقوم فهو منهم. (المسند الجامع، (الجهاد)، ۱۰/۷۱۶، رقم الحدیث ۸۱۲۷، دار الجیل، بیروت)

ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے؛ جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہوگا۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے:

ان هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها (مسلم، ۳/۱۶۴۸، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ط؛ دار احیاء التراث)

یعنی یہ کافروں کے (جیسے) کپڑے ہیں، پس ان کو نہ پہنو!

ان احادیث سے ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ کا لباس اور آپ کی وضع قطع یہ سب وحی الٰہی کے تابع تھی۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے لے کر آسمان تک خواہ حیوانات ہوں یا نباتات یا جمادات، سب کو ایک ہی مادہ سے پیدا کیا ہے؛ مگر اس کے باوجود ہر چیز کی صورت اور شکل مختلف بنائی؛ تاکہ ان میں امتیاز قائم رہے؛ کیوں کہ امتیاز کا ذریعہ یہی ظاہری شکل وصورت ہے اور جس طرح دنیا کی قومیں ایک دوسرے سے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعہ جدا ہیں، اسی طرح ہر قوم کا تمدن، تہذیب اور لباس بھی دوسری قوم سے ممتاز کرتا ہے، عبادات کی انھیں خاص شکلوں کی وجہ سے ایک مسلم، موحد، مشرک اور بت پرست سے جدا ہے، اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے، غرض قوموں میں امتیاز کا ذریعہ یہی قومی خصوصیات ہیں؛ جب تک ان مخصوص شکلوں اور ہیئتوں کی حفاظت نہ کی جائے تو قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔

دینِ اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے، تمام ملتوں اور شریعتوں کا ناسخ بن کر آیا ہے، وہ اپنے

پیروکاروں کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ناقص اور منسوخ ملتوں کے پیروکاروں کی مشابہت اختیار کریں، جس طرح اسلام معتقدات اور عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع نہیں ہے، اسی طرح اسلام اپنے معاشرتی آداب اور عادات میں بھی مستقل ہے، کسی دوسرے کا تابع اور مقلد نہیں ہے۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ تشبہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''تشبہ کی تعریف سنیے؛ تاکہ آپ تشبہ کی قباحتوں اور مضرتوں کا اندازہ لگاسکیں''!

۱- اپنی حقیقت، اپنی صورت اور وجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت، اس کی صورت اور اس کے وجود میں مدغم ہونے کا نام تشبہ ہے۔

۲- یا اپنی ہستی کو دوسرے کی ہستی میں فنا کردینے کا نام تشبہ ہے۔

۳- اپنی ہیئت اور وضع کو تبدیل کرکے دوسری قوم کی وضع اور ہیئت اختیار کرلینے کا نام تشبہ ہے۔

۴- اپنی شانِ امتیازی کو چھوڑ کر دوسری قوم کی شانِ امتیازی کو اختیار کرلینے کا نام تشبہ ہے۔

۵- اپنی اور اپنوں کی صورت اور سیرت کو چھوڑ کر غیروں اور پرایوں کی صورت اور سیرت کو اپنالینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لیے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہونی چاہیے اور وضع وقطع میں بھی۔ (سیرتِ المصطفیٰ ۳/۳۰۶، تشبہ کی تعریف، ط؛ مکتبۃ الحسن)

شریعت میں تشبہ (دوسروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے) کی ممانعت کسی تعصب پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ غیرت، حمیت اور اسلامی خصوصیات وامتیازات کے تحفظ کے لیے ہے؛ اس لیے کہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلاسکتی؛ جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائیدار اور مستقل نہ ہوں۔

نیز یہود ونصاریٰ اور کافروں کو دوست بنانے یا ان کی مشابہت اختیار کرنے سے مسلمانوں کے دل بھی ان کی طرح سخت ہوجاتے ہیں اور احکامِ شریعت کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔

واضح رہے کہ غیروں کی وضع قطع اور ان جیسا لباس اختیار کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں:

(۱) پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ مسلمان اور کافر میں ظاہری کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ تشبہ بالکفار اہلِ کفر میں دلچسپی اور ان کی قربت کا زینہ ہے۔

(۲) غیروں کی مشابہت اختیار کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے۔

(۳) کافروں کا لباس اختیار کرنا درحقیقت ان کی سیادت اور برتری کو تسلیم کرنا ہے۔

(۴) اور یہ اپنی کمتری اور غلامی کا اقرار اور اعلان ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا؛ کیوں کہ اسلام غالب ہوتا ہے، تابع اور مغلوب نہیں ہوتا۔

نیز اس تشبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ کافروں سے مشابہت کا دل میں میلان اور داعیہ پیدا ہوگا جو صراحۃً ممنوع ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ (ھود:۱۱۳)

ترجمہ: اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔ (ترجمہ از شیخ الہند)

باقی آج کل ہر خاص و عام یہ دعوی کرتا رہتا ہے کہ پینٹ شرٹ مسلم اور غیر مسلم دونوں کا ہی لباس ہے، اب تو ہر جگہ مسلمان بھی پہنتے ہیں، تو عرض ہے کہ یہ بات ہمیں تسلیم نہیں؛ بلکہ شرٹ اور پتلون غیر مسلموں کا ہی لباس تھا، پھر جب اسلامی سلطنتوں کے فرمانروا اقتدار کے نشہ میں عیش پرستی کا شکار بن گئے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومتیں زوال پذیر ہوگئیں اور مسلمانوں سے شکست خوردہ قومیں برسرِ اقتدار آگئیں، چند روز تک مسلمانوں کو اپنی شکست اور ذلت کا احساس رہا؛ مگر پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں نے ان کے معاشرے، تمدن اور وضع قطع کو قبول کرنا شروع کردیا، یہاں تک کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کی اسلامی ممالک کے باشندے اپنے من وتن میں غیروں کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق ہی نہ رہا۔

اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ موجودہ زمانے میں پینٹ شرٹ کے کثرتِ استعمال اور معاشرے میں اس کے عام ہونے کے سبب یہ کسی غیر قوم کا شعار تو نہیں رہا؛ اس لیے اس میں غیر اقوام کے شعار ہونے کی حد تک تو تشبہ باقی نہیں رہا؛ مگر اس کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے کہ یہ فساق وفجار اور غیر صلحاء کا لباس ہے، اور جس طرح غیر مسلموں سے مشابہت ممنوع ہے اسی طرح فساق وفجار اور غیر صلحاء سے مشابہت بھی ممنوع ہے۔

اور مشابہت کی شناعت میں زمان اور مکان کے لحاظ سے سختی یا نرمی کی بات ممکن ہے، جس علاقہ میں جتنی زیادہ مشابہت متصور ہوگی، اسی حساب سے کراہت تحریمی یا تنزیہی ہونے کا حکم لگے گا۔

اسلامی ممالک کے لیے تو علی الاطلاق یہ حکم لگانا بھی درست نہیں ہے کہ کثرتِ استعمال کی وجہ

سے مشابہت بالکل ختم ہوگئی ہے؛ اس لیے کہ اگرچہ اکثر شہری علاقوں اور بعض دیہاتی علاقوں میں اس کو بطورِ لباس استعمال کیا جاتا ہے؛ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سارے علاقے بالخصوص قبائلی علاقے اور گاؤں دیہاتوں میں اب بھی اس کو کفار یا کم از کم فساق و فجار اور غیر صلحاء کا لباس تصور کیا جاتا ہے اور اپنے قومی و علاقائی لباس کو اس لباس (پینٹ شرٹ) پر ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا جس علاقے میں جس قدر مشابہت متصور ہوگی، اسی حساب سے کراہت کا حکم لاگو ہوگا۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ تمام تفاوت اور فرقِ مراتب علم اور اعتقاد کے اعتبار سے ہے، ورنہ عملاً ہر درجہ کے تشبہ کو ممنوع العمل قرار دینا ہی ایک مسلمان کے لیے احتیاط اور پرہیزگاری کا باعث ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ تمدن اور معاشرت کا ایک طویل سلسلہ ہے اور اس سلسلہ کی ایک کڑی دوسری کو کھینچتی ہے، پس کسی تمدن کی کسی چیز کو اختیار کرنا گویا دوسری چیز کے لیے راستہ صاف کردینا ہے تو اس طرح انجام کار پورے ہی تمدن کا حلقہ اپنی گردن میں ڈال لینا ہے؛ اس لیے سدِ ذرائع کے طور پر تشبہ کے تمام مراتب سے خواہ حرام ہوں یا مکروہ تحریمی ہوں یا مکروہ تنزیہی، عمل کے دائرہ میں یکساں ہی ممانعت کی جائے گی۔

❁ ❁ ❁

قومی یک جہتی کی تفہیم وتوسیع میں علمائے دیوبند کا کردار

از: مولانا ابرار احمد قاسمی اجراوی

وطن عزیز کے موجودہ تشویش ناک حالات، اہل فکر ونظر سے مخفی نہیں ہیں۔ رواداری، تحمل، برداشت اور اتحاد و یک جہتی کا تصور مفقود ہوتا جارہا ہے، ایک خاص فلسفۂ زندگی کو ہر ہندستانی پر تھوپنے کے تانے بانے ترتیب دیے جارہے ہیں۔ اس ملک کی اقلیتوں کو مختلف حیلے حوالے سے خوف وہراس کی چہار دیواری میں محصور کیا جارہا ہے۔ عقیدہ، اظہار رائے اور ضمیر کی آوازی پر پہرے بٹھائے جارہے ہیں، دستور زباں بندی عام ہوتا جارہا ہے۔ مذہب اور فرقہ کے نام پر ملک میں نفرت کا زہر گھولا جارہا ہے۔ اس سے صرف ہندستان اور برصغیر میں ہی نہیں؛ بلکہ ہماری ساکھ عالمی سیاسی پیمانے پر مجروح ہورہی ہے۔ ملک کے مذہبی طبقے کو خاص طور پر نشانہ بنایا جارہا ہے؛ اس لیے اس تناظر میں قومی یک جہتی کے تصور کو واضح کرنا اور اس کی اہمیت وافادیت سے ملک کے باشعور اور سیکولر افراد کو آگاہ کرانا بہت ضروری ہوجاتا ہے۔

قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیا ہے؟ یہاں پر قومی یک جہتی کے تصور اور حقیقی خدو خال کو واضح کرنا ضروری ہے؛ تاکہ کسی غلط فہمی اور خلطِ مبحث کا اندیشہ نہ رہے۔ قومیت اور یک جہتی دونوں مل کر ہندستان کی تہذیبی، لسانی، تاریخی اور رنگی ونسلی رنگارنگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ زبان و ادب، رہن سہن، تصورات اور رسم ورواج میں اشتراک ویگانگت اور تہذیبی وثقافتی مظاہر میں مماثلت قومی یک جہتی کی تشکیل میں معاون ہوتے ہیں۔ سیاسی اور قومی وحدت کا مفہوم انھیں مماثلتوں سے برآمد ہوتا ہے اور پھر ہندستان کی مخصوص پہچان اور علامت، کثرت میں وحدت کا چہرہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ قومی یک جہتی کا مفہوم تمام حدود قیود سے آزادی سے عبارت نہیں ہے، قومی یک جہتی نہ تو شخصی

آزادی پر قدغن لگاتی ہے اور نہ ہی عقیدہ اور ضمیر کے معاملات سے اس کا رشتہ ہے۔ قومی یک جہتی کا عقائد، مذہبی امور اور نجی معاملات سے کوئی علاقہ نہیں ہے؛ بلکہ اپنے مخصوص عقائد و فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے ہندستانیت اور وطنیت وقومیت کے رنگ میں رنگ جانے کا نام قومی یک جہتی ہے۔ قومی یک جہتی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ملک کی دوسری اقلیتیں سکھ، عیسائی بدھ اور خصوصا مسلمان ملک کے اکثریتی طبقے کے رنگ میں رنگ جائیں، اقلیت اکثریت میں ضم ہوجائے اور ان کی تہذیب و اقدار کو اپنا کر اپنی تہذیبی اقدار اور مذہبی شناخت سے یکسر دست کش ہوجائے۔ قومی یک جہتی کا مطلب اس سے بہت مختلف، بڑا وسیع اور کئی جہات پر پھیلا ہوا ہے۔ قومی یک جہتی کا مطلب ہے، مشترکہ امور اور مسائل میں ملک کی تمام مذہبی اور قومی اکائیوں کو اور بلاتفریق تمام شہریوں کو اپنے نظریہ وعمل میں یکسانیت پیدا کرنا اور وطن کی بنیاد پر ہمارے جو مشترکہ مسائل اور قومی وتہذیبی اقدار ہیں، ان کے بقاوتحفظ کے لیے مشترکہ اور متحدہ طور پر جدوجہد اور باہمی تعاون کرنا۔ جدید تعلیم کے علم بردار اور بانی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سرسیدؒ نے بھی قومی یک جہتی کی یہی تعریف کی ہے، سب سے پہلے قوم کے وسیع مفہوم کی انھوں نے اس طرح تشریح کی ہے۔ ایک تقریر میں کہتے ہیں:

''لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے یہی وہ معنی ہیں جس سے میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔''

اپنے اس نقطۂ نظر کی وضاحت تفصیل کے ساتھ ایک دوسرے خطبے میں یوں کرتے ہیں:

''درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں باعتبار اہلِ وطن ہونے ایک قوم ہیں اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہمدردی اور آپس کی محبت سے ملک کی اور ہم دونوں کی ترقی و بہبودی ممکن ہے اور آپس کے نفاق اور ضد وعداوت، ایک دوسرے کی بدخواہی سے ہم دونوں برباد ہونے والے ہیں۔''

مگر سرسید کے نزدیک بھی قومیت میں اشتراک کا مطلب اپنی شناخت اور مذہبی وملی پہچان سے محروم ہوجانا نہیں تھا کہ مسلمان یا کوئی دوسری مذہبی اکائی اپنی مذہبی شناخت کو چھوڑ کر ہندوانہ یا کوئی اور رسم ورواج اختیار کرلے؛ چناں چہ اپنے ایک لکچر میں کہتے ہیں:

''یکتائی و یک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں کہ سب لوگ اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر ہوجائیں، یہ امر تو قانونِ قدرت کے خلاف ہے، جو ہو نہیں سکتا۔''

قومی یک جہتی کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، اس سے پہلے بھی قومی یک جہتی کے تصور کو ملیا میٹ

کرنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر حملے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور جب بھی یہاں کی مشترکہ تہذیبی اقدار کو جنونیوں نے نشانہ بنایا ہے، مدارس کے بوریہ نشیں علماء نے ایسے عناصر کا دست و بازو پکڑنے کا حوصلہ دکھایا ہے۔ اس حوالے سے علمائے دیوبند نے جو کلیدی رول ادا کیا ہے، وہ ہندستانی تاریخ کے اوراق میں جلی حروف میں درج ہے۔ متحدہ قومیت کے تصور کے نقش و نگار کو ابھارنے اور مشترکہ مسائل پر توافق و تطابق پیدا کرنے کے لیے ہمارے اکابر و اسلاف نے ہر دور میں زوردار اور طاقت ور آواز اٹھائی ہے۔ سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قومی یک جہتی کو روبہ عمل لانے کے لیے سب کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ مولانا نے اپنے ذہن رسا سے اس نکتے کو دریافت کرلیا تھا کہ ایک کثیر قومی، کثیر لسانی اور کثیر ثقافتی ملک میں گروہی، جماعتی اور مذہبی اختلافات کسی بھی طرح مفید نہیں ہیں؛ اس لیے انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے 'اتحاد و اتفاق' کی پرزور صدا لگائی ہے، ایک موقع پر انھوں نے کہا تھا:

''فی زماننا کفار کا غلبہ ہے۔ وقت نہیں ہے کہ مسلمانوں میں تفریق کو ہوا دی جائے، جس سے ان کا کلمہ متفرق ہوکر مزید ضعف پیدا ہو؛ بلکہ توڑنے کے بجائے جوڑنے کی فکر کی جائے۔'' (سوانح قاسمی، ج:۱،ص:۴۸۰)

تحریکِ ریشمی رومال کے بانی اور دارالعلوم دیوبند کے اولین طالب علم اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانی، سرخیل مجاہدین آزادی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے آزادی سے بہت پہلے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے حوالے سے پیدا ہونے والے مستقبل کے خطرات اور اندیشوں کو بھانپ لیا تھا؛ چناں چہ جمعیۃ علماء ہند کے عمومی اجلاس (منعقدہ نومبر ۱۹۲۰ء) کے آخری دن مولانا نے اجلاس کی کارروائیوں کے بحسن و خوبی اختتام تک پہنچنے پر جہاں تشکر کا اظہار کیا اور منظور شدہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی اپیل کی، وہیں اس تحریری بیان میں ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرتے ہوئے انھوں نے یہ بھی کہا تھا:

''کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر تعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنادیا ہے اور میں ان دونوں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرکے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کررہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے؛ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے

خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ناممکن بنادے گی اور دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا۔ اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ ہماری بداعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا؛ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر؛ بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست دے سکے گی۔'' (شیخ الہند مولانا محمود حسن: ایک سیاسی مطالعہ، ابوسلمان شاہ جہاں پوری (مرتب)، ص: ۲۱۵-۲۱۶، فرید بک ڈپو نئی دہلی، ۲۰۱۱ء)

سلطان القلم اور اپنے عہد کے مشہور عالم دین مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی اپنے ایک مضمون میں قومی ووطنی تہذیب پر شرح وبسط کے ساتھ علمی انداز میں مدلل گفتگو کی ہے۔ انھوں نے مختلف انبیاء حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوم سے بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے: جب قرآن میں مذکوران پیغمبروں سے ان کی قوم کے عقائد واعمال اور خیالات ومسلمات قطعی مختلف تھے، اس کے باوجود ان اقوام کا انتساب ان پیغمبران حق کی طرف کیا گیا۔ انھیں قوم نوح، قوم ہود اور قوم لوط سے خطاب کیا گیا۔ اس بنیاد پر انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قومی وحدت کے لیے نہ وطنی وحدت کی ضرورت ہے، نہ نسلی اتحاد کی، نہ زبان کی یکسانیت ضروری ہے؛ بلکہ جس خطے میں بھی کسی پیغمبر وقت کو کسی نسلی اکائی کی اصلاح وارشاد کے لیے بھیجا گیا ہے، وہ سب ایک قوم ہیں۔ لکھتے ہیں:

''پھر قرآن نے کس بنیاد پر ان جماعتوں اور امتوں کو ان مختلف پیغمبروں کی قوم قرار دیا؟ اس کے سوا اور کیا تھا کہ جو پیغمبر انسانوں کی جس جماعت کی اصلاح واحیاء کے لیے کھڑا کیا جاتا تھا، وہی لوگ اس کی قوم قرار دئے جاتے تھے۔ اب اگر اسی بنیاد پر، ہندوستان کے مسلمان، ہندوستان کے ان تمام باشندوں کو جن کی ہدایت وارشاد، ان کا دینی فریضہ ہے اور جن کو اندھیرے سے روشنی میں لانے کے لیے، مسلمانوں کی ایک جماعت، گنگا اور جمنا کے کنارے، کرشنا اور گوداوری کی وادیوں میں آباد کی گئی۔ ان کے اسلاف اس غرض سے اس ملک میں آئے۔ اگر مسلمان ان ساری جماعتوں کو اپنی قوم قرار دیں، تو قرآن کی اصطلاح سے کیا اس کی توثیق نہیں ہوتی؟ یقیناً اس بنیاد پر ہندی مسلمانوں کی قوم، ہندوستان کے قدیم قبائل ڈراویڈی، کول اور بھیل بھی ہیں، آریہ اور راجپوت بھی ہیں، کائستھ اور برہمن بھی

ہیں کہ ان ہی لوگوں کے لیے، ان ہی کی اصلاح ودرستی کے لیے اس ملک میں وہ آئے اور ہندوستان میں قیام کیا۔ یقیناً اسی اصلاح کی بنا پر چینی مسلمانوں کی قوم، چین ہی کے وہ باشندے ہیں جن کی طرف چین کے مسلمان مبعوث تھے اور قسطنطنیہ وتھیرس، بلقان، البانیہ، ہرزی گونیا وبوسنیا کے مسلمانوں کی قوم، یورپ کے وہ باشندے ہیں جو ان ملکوں میں ان کے ساتھ آئے ہیں۔ قازون وسرائے باغچہ کے مسلمانوں کی قوم روس کے وہ باشندے ہیں، جن کے درمیان مسلمانوں کی یہ جماعت آباد ہوگئی ہے۔ مصری مسلمانوں کی قوم ان زمینوں کی رہنے والی ہے جو اردگرد ممالک میں رہتے ہیں اور جن کو اسلام کی دعوت دینا ان کا قرآنی فریضہ ہے۔'' (مضامین مولانا گیلانی، مظفر گیلانی (مرتب) ص: ۱۱۷-۱۱۸، بہار اردو اکادمی پٹنہ، ۱۹۸۶ء)

اور پھر اس طویل بحث سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الغرض قوم کے لفظ کو قرآن نے جس مفہوم میں استعمال کیا ہے، ہم کبھی غلطی نہیں کریں گے، اگر اس قرآنی اصطلاح کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کے ہندوؤں، بودھوں، جینیوں اور اچھوتوں کو ہم اپنی قوم قرار دیں اور اسی تبلیغی علاقہ کی وجہ سے اگر ہندی مسلمان، ہندوؤں کے بھائی اور ہندو ان کے بھائی سمجھے جائیں، تو قرآن سے بجز اس دعوی کے اور کس دعوی کی توثیق ہوسکتی ہے؟'' (مضامین مولانا گیلانی، ص: ۱۱۸)

عظیم مجاہد آزادی اور دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بھی اپنے استاد حضرت شیخ الہند کے نقشِ قدم کی پیروی کی اور اپنی تمام تر اسلام پسندی کے باوجود، قوم کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ وطنیت کی بنیاد پر متحدہ قومیت کی تعمیر کی بات کی تھی۔ ان کے اس تاریخی، اور جرأت مندانہ بیان کا کہ ''اقوام اوطان سے بنتی ہیں'' متحدہ قومیت اور قومی یک جہتی کے عظیم تاریخی تصور کو تقویت بخشنے میں کلیدی رول رہا ہے۔ گرچہ ان کے اس بیان سے اول وہلہ میں ایک نئے سیاسی اور مذہبی تنازعے نے جنم لیا تھا اور صرف عوام الناس ہی میں چہ میگوئی عام نہیں ہوگئی تھی؛ بلکہ مشہور مشرقی شاعر ڈاکٹر علامہ اقبال بھی غلط فہمی کا شکار ہوگئے تھے؛ مگر بعد میں جب ان کے بیانات کی روشنی میں حقیقتِ حال ان پر منکشف ہوئی، انھوں نے حضرت مدنی کے موقف سے اتفاق کیا تھا۔ اور خطوط کے ذریعے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرلیا تھا۔ حضرت مدنی نے متحدہ قومیت کے تصور کو اسلامی اور تاریخی بنیادوں پر مدلل کرنے اور اس کو ملک کے طول وعرض میں ایک

قدر مشترک کے طور پر متعارف کرانے کے لیے ''متحدہ قومیت اور اسلام'' نام کا ایک کتابچہ بھی لکھا تھا۔ جس میں انھوں نے مذہب کی آڑ میں علاحدگی پسندی کی تحریک کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے۔

''بہار کے گاندھی'' کے لقب سے مشہور، ممتاز سیاسی رہ نما عظیم مجاہد آزادی، عالم دین مولانا مظہر الحق (۱۸۶۶-۱۹۳۰ء) بھی تا عمر قومی یک جہتی کے فروغ اور ہندو مسلمان دونوں کو مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۰۸ء میں گیا میں بہار کانگریس کی جو ریاستی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں مولانا کی شب و روز تگ و دو کی وجہ سے ہی ہندو مسلم اتحاد کا زبردست مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔ اور دونوں قوموں نے کانفرنس کے انتظام وانصرام سے لے کر اس کو کامیاب بنانے تک کے عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا مظہر الحق نے کئی عوامی پروگرام میں اس ملک کی دونوں بڑی قوموں کو نفع و نقصان میں شریک و مساوی قرار دیا۔ ان کا یہ قول تو بہت مشہور ہے، جو انھوں نے ۱۹۱۶ء میں کانگریس کی لکھنؤ کانفرنس کہا تھا:

''ہندو مسلم ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں، ڈوبیں گے تو ساتھ پار لائیں گے تو ساتھ۔''

ہندستان ایک کثیر ثقافتی اور کثیر مذہبی ملک ہے، اس ملک میں بہت سی قومیں آباد ہیں، اس دھرتی پر بہت سے مذاہب کے ماننے والے رہتے ہیں، ہر قدم پر قومیت، نسل اور زبان تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہاں کی مٹی میں اجتماعی مزاج کی خوشبوں رچی بسی ہے، یہاں کثرت میں وحدت کے فلسفہ پر ہی عمل کیا جا سکتا ہے۔ قومی یک جہتی کے اسی تصور کو فروغ دے کر ملک کی سالمیت، اس کے اتحادی ڈھانچے اور اس کی سرحدوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جا سکتا ہے اور اسی راہ سے اس جمہوری ملک کو قوم اور مذہب اور رنگ و نسل اور زبان و علاقہ کی بنیاد پر اختلاف اور تفریق کے مسئلے سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ ہندوستان میں اتنی قومیں اور اتنے مذاہب آباد ہیں کہ یہاں متحدہ قومیت کے تصور کے علاوہ کوئی دوسری پر امن اور قابلِ قبول راہ بھی نظر نہیں آتی۔ علاقہ اور زبان و مذہب کی بنیاد پر یہاں کوئی تحریک اور کوئی تنظیم، نہ ماضی میں کامیاب ہو سکی ہے، نہ مستقبل میں ہو سکے گی۔ یہاں ہندو مسلم دونوں کے ایک ساتھ قیام اور ان کی مشترکہ تہذیبی اقدار کا فیصلہ آزادی سے بہت پہلے ہو گیا تھا؛ اسی لیے ہمارے رہ نماؤں اور مجاہدین آزادی نے جب دستور اور آئین کی تشکیل کی تھی، اس وقت بھی انھوں نے متحدہ قومیت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے تصور کو تقویت بخشنے کے لیے جمہوری اور سیکولر طرزِ حکومت کو ہی منتخب کیا اور آئین میں سارے اقوام و مذاہب کو ضمیر اور عقیدہ کی آزادی دی؛ تاکہ یہاں ساری قومیں

اور سارے مذاہب اپنے عقائد اور مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے میں تو آزاد رہیں، مگر مشترکہ امور و مسائل اور قومی وتہذیبی اقدار کے تحفظ کے وقت تسبیح کی طرح ایک لڑی میں پرو دیے جائیں۔ ہندستان میں اتنی قومیں اور اتنے مذاہب کے پیروکار رہتے ہیں کہ قومی یک جہتی اور متحدہ قومیت اور فرقہ وارنہ ہم آہنگی اور بقائے باہم کے فارمولے سے بہتر کوئی دوسرا فارمولہ قابلِ قبول ہو ہی نہیں سکتا۔ علاقائیت اور صوبائیت یا رنگ ونسل اور مخصوص زبان کی بنیاد اس ملک کے لیے سم قاتل ہے۔ اس ملک کی رنگارنگی ہی اس کی پہچان ہے۔

علمائے دیوبند اور ہمارے اکابر واسلاف ہمیشہ قومی یک جہتی کے اصول پر کاربند رہے ہیں۔ ان کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ ایک دوسرے کی مذہبی حدود میں کسی قیمت پر مداخلت نہ کی جائے، دوسروں کے مذہبی جذبات وخیالات کو مجروح نہ کیا جائے؛ مگر مشترکہ قومی اور وطنی مسائل وامور میں یہاں کی ساری قومیں اتحاد واشتراک اور تعاون کا مظاہرہ کریں۔ اسی میں ہمارے ملک اور ساری مذہبی اور قومی اکائیوں کی فلاح کا راز مضمر ہے اور اسی طرح ہمارا ملک ترقی کی وسیع شاہ راہ پر دور تک چل سکتا ہے اور نہ صرف برصغیر میں بلکہ عالمی پیمانے پر ہمارا وطن اپنی شناخت مستحکم کرسکتا ہے اور کسی امریکی یا برطانوی صدرِ مملکت یا حکمراں کو ہمارے ہی ملک میں ہمیں یہ نصیحت کرنے کی ہمت وجرأت نہ ہوگی کہ ''ہندستانیوں کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے اصول کو مضبوطی سے تھامنا چاہیے اور ہندو مسلم، سکھ عیسائی کے درمیان مساوات اور برابری کا معاملہ روا رکھنا چاہیے''!

❁ ❁ ❁

اولیاء کرام کی کرامات پر اتفاقِ امت

از: مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی
ریاض

دنیا کے تمام مذاہب کی طرح دینِ اسلام میں بھی ابتدا سے ہی خرق عادت کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ خرقِ عادت دراصل وہ عمل ہے جس کا احاطہ انسان کی عقل کسی خاص زمانہ ومکان میں بظاہر نہیں کر پاتی ہے۔ اسی عمل کو دینی اصطلاح میں معجزے اور کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سوشل میڈیا پر مخصوص ذہن رکھنے والے بعض حضرات کی تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عناصر اللہ کے نیک اور متقی بندوں سے کسی خرق عادت عمل کے ظاہر ہونے کے یکسر منکر ہیں؛ جب کہ قرآن کریم کا ہر طالب علم ایسے متعدد واقعات سے واقف ہے جن کا ذکر انبیاء کرام اور متقی لوگوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اسی لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ ۱۴۰۰ سال سے اس بات پر مکمل طور سے متفق ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح خرقِ عادت عمل (یعنی معجزہ) انبیاء کرام کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے، وہیں خرقِ عادت عمل (یعنی کرامات) اپنے متقی پرہیزگار بندوں کے ذریعہ بھی ظاہر کرتا ہے۔

ہندوستان و پاکستان کے علماء کی طرح پوری دنیا کے علماء خاص طور پر سعودی عرب کے علماء بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے حکم سے اللہ والوں کے ذریعہ ایسے خرقِ عادت اعمال ظاہر ہوتے ہیں جن کا احاطہ انسان کی عقل نہیں کر پاتی ہے۔ اس سلسلہ میں سعودی عرب کے علماء کی رائے اور سعودی عرب کے مشہور عالم دین شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ ان کی آفیشیل ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے اور سنا بھی جاسکتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں دلائل پر گفتگو نہیں کی جاسکتی، صرف ایک حدیث قدسی پیش ہے: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری طرف سے فرض کی ہوئی اُن چیزوں سے جو

مجھے پسند ہیں، میرا قرب زیادہ حاصل کرسکتا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

ایسے بہت سے امور ہیں جہاں تک ہماری عقل کی رسائی نہیں ہے اور ہم اُن کو من وعن تسلیم کرلیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی روشنی میں امتِ مسلمہ کے ہر مسلک کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض ایسے کام یعنی کرامات اس کے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ رونما ہوتی ہیں جنھیں انسانی عقل بہ ظاہر قبول نہیں کرتی؛ تاہم عقیدہ کی بنیاد پر ان کا یقین کیا جاتا ہے۔

اس موضوع پر سعودی عرب کے جید علماء کا موقف درج ذیل لنک کے ذریعہ پڑھا جاسکتا ہے جس میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ انبیاء کرام کے ذریعہ خرق عادت عمل کا ظہور معجزہ ہے؛ جب کہ اولیاء اللہ کے ذریعہ خرق عادت عمل کا واقع ہونا کرامت کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بعض وجوہات کے پیش نظر خرق عادت بعض اعمال اللہ کے نیک بندوں کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے:

http://www.alifta.net/fatawa/fatawaDetails.aspx?BookID=5&View=Page&PageNo=1&PageID=231

سعودی عرب کے مشہور ومعروف عالم دین شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کا بھی یہی موقف ہے جو اس لنک پر پڑھا جاسکتا ہے:

http://www.binbaz.org.sa/noor/1354

موضوع بحث مسئلہ میں سعودی عرب کے علماء کرام کے فتاوی کا خصوصی تذکرہ؛ اس لیے کیا گیا ہے؛ کیونکہ لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ علماء سعودی عرب اولیاء کرام سے واقع ہونے والی کرامات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ سعودی علماء کے موقف کا ایک سرسری مطالعہ اس غلط فہمی کا مکمل طور پر ازالہ کردیتا ہے۔ جہاں تک ہندوستان اور پاکستان کے علماء کا تعلق ہے تو ان کا اس موضوع پر قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خرق عادت کسی عمل کا انبیاء کرام سے اظہار ''معجزہ'' کہلاتا ہے؛ جب کہ اللہ کے دوسرے برگزیدہ بندوں سے ایسے کسی عمل کا رونما ہونا ''کرامات'' کہلاتا ہے۔

اگر تاریخ کی کتابوں میں اللہ کے کچھ مخصوص نیک بندوں کے حوالے سے خرق عادت کوئی واقعہ منسوب ہے تو کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہونے والی اُس کرامت کے انکار کو اپنے ایمان کی بنیاد بنالیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی برگزیدہ عالم دین سے ظاہر ہونے والے کسی خرق عادت عمل کو کرامت تسلیم کرتا ہے تو ایسے شخص کو قرآن وحدیث کی روشنی میں کس بنیاد پر گمراہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی اپنی بدعقلی میں ایسے شخص پر گمراہی کی تہمت لگاتا ہے تو یہ قرآن وسنت کی خلاف ورزی اور اس سے انحراف ہے۔

ابتداء اسلام سے ہی بے شمار علماء کرام نے اولیاء کرام کے کرامات کو قلمبند کیا ہے۔ اس ضمن میں علامہ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ - ۷۲۸ھ) کا حوالہ اور ذکر مناسب ہوگا۔ بلاشبہ ان کی شخصیت کو عالم اسلام میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی مشہور کتاب (**الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان**) میں اولیاء کرام کے ذریعہ رونما ہونے والی ایسی کرامات اور واقعات کا ذکر کیا ہے جنہیں بہ ظاہر عقل تسلیم نہیں کرتی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۲۲ سے ۲۳۰ تک تابعین کے کرامات کے متعدد واقعات موجود ہیں، جن میں سے چند واقعات کا ترجمہ پیش ہے۔ انھوں نے اپنی اسی کتاب میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحابۂ کرام کے مقابلہ میں تابعین میں کرامات کے واقعات زیادہ ہوئے۔

یمن کے رہنے والے مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن ثوب (ابومسلم) الخولانیؒ کو جھوٹی نبوت کا دعوی کرنے والے الاسود العنسی نے بلایا اور کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انھوں نے کہا کہ میں تیری بات نہیں سن رہا۔ اس نے کہا: تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، وہ اللہ کے رسول ہیں؛ چنانچہ آگ دہکا کر انھیں اس میں ڈال دیا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ جلتی ہوئی آگ میں اطمینان سے نماز کی ادائیگی کررہے ہیں، اور وہ آگ اُن کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کی جگہ بن گئی۔

مشہور تابعی حضرت عامر بن قیسؒ اپنی آستین میں دو ہزار درہم خیرات کے لیے لے کر نکلتے اور راستے میں ملنے جلنے والے ہر سائل کو گنے بغیر اس میں سے دیتے جاتے، پھر جب گھر واپس لوٹتے تو ان دراہم کی تعداد اور وزن میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اسی طرح قافلہ کے پاس سے آپ کا گزر ہوا جس کو ایک شیر نے روک رکھا تھا۔ آپ نے شیر کے پاس جاکر اپنے کپڑے سے اس کا منہ پکڑا اور اس کی گردن پر اپنا پیر رکھ کر فرمایا ''تو اللہ کے کتوں میں سے ایک کتا ہے اور مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ اس

کے سوا کسی اور چیز سے ڈروں'' اور یوں قافلہ گزر گیا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ ان کے لیے سردی میں وضو کرنا آسان ہوجائے؛ چنانچہ اس کے بعد ان کے پاس جو بھی پانی پیش ہوتا اس سے بھاپ نکلتی رہتی۔

مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ حجاج کی نظر سے ایسا اوجھل ہوئے کہ چھ مرتبہ لوگ اُن کے پاس گئے اور انھیں نہ دیکھ سکے۔ ایک شخص آپ کو تکلیف دیتا تھا آپ نے اس کے لیے بددعا کی اور وہ فوراً مر گیا۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّبؒ کے زمانہ میں حرۃ کی طرف سے جب مدینہ منورہ محصور ہوا تو حضرت سعید بن المسیبؒ نماز کے اوقات میں آپ ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز سنتے تھے؛ حالانکہ مسجد بالکل خالی ہوتی تھی۔

مشہور تابعی حضرت اویس قرنیؒ کی جب وفات ہوئی تو ان کے کپڑے کے اندر کفن ملے جو پہلے سے ان کے پاس نہیں تھے، اور ایک پتھریلی زمین میں ان کی قبر بھی کھودی ہوئی تیار ملی؛ چنانچہ اسی کفن کے ساتھ اسی قبر میں دفن کردیا گیا۔

مشہور تابعی حضرت ابراہیم تیمیؒ ماہ دو ماہ بغیر کچھ کھائے رہ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے گھر والوں کے لیے کھانا لانے کی غرض سے نکلے اور کچھ میسر نہ ہوسکا تو سرخ ریت کی ایک گٹھری باندھ لی۔ جب گھر والوں کے پاس پہنچے اور گھر والوں نے گٹھری کھولی تو دیکھا کہ سرخ گیہوں ہیں۔ وہ جب اس گیہوں کو بوتے تھے تو اس سے ایسی بالیاں نکلتی تھیں کہ جڑ سے لے کر شاخ تک دانوں سے لدی ہوتی تھیں۔

مشہور تابعی حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تھے تو ان کے ساتھ ساتھ ان کے گھر کے برتنوں سے بھی تسبیح کی آواز آتی تھی، وہ اور ان کے ایک ساتھی اکثر اندھیرے میں چل رہے ہوتے تو ان کے کوڑے کے سرے سے روشنی نکلتی تھی اور اندھیرا ختم ہوجاتا تھا۔

قبیلہ نخع کے ایک شخص کا گدھا راستہ میں مرگیا۔ اس شخص کے دیگر ساتھیوں نے کہا کہ چلو ہم تمہارا سامان اپنے درمیان تقسیم کرلیتے ہیں یعنی تمہارا سامان ہم اپنے گدھوں پر تھوڑا تھوڑا رکھ لیتے ہیں۔ اُن صاحب نے کہا کہ مجھے تھوڑی مہلت دو؛ چنانچہ انھوں نے اچھی طرف وضو کیا، دو رکعات نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گدھے کو زندہ کردیا، پھر انھوں نے اپنا ساز وسامان دوبارہ اپنے گدھے پر رکھ دیا۔

مشہور تابعی حضرت عمرو بن عتبہؒ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے، گرمی سخت تھی، اچانک بادل ان پر سایہ کرنے لگا۔ جب وہ جہاد میں اپنے ساتھیوں کی سواریوں (جانوروں) کو چراتے تھے تو چیر پھاڑ کرنے والے جانور بھی سواریوں کی حفاظت کرتے تھے۔

مشہور تابعی حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فالج کے شکار ہوگئے۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ وضو کرتے وقت ان کے اعضاء درست ہوجائیں؛ چنانچہ وہ جب بھی وضو کرتے تھے ان کے اعضاء درست ہوجاتے تھے۔ وضو سے فراغت کے بعد ان کے اعضاء پہلے کی طرح مفلوج ہوجاتے تھے۔

مشہور تابعی حضرت عتبہ الغلامؒ اللہ سے تین چیزوں کی دعا مانگتے تھے۔ اچھی آواز، وافر مقدار میں آنسو اور بغیر کچھ کیے کھانا؛ چنانچہ جب وہ تلاوت کرتے تھے وہ خود بھی روتے تھے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے۔ آنکھوں سے آنسو کافی دیر تک جاری رہتے تھے۔ اور جب اپنے گھر جاتے تھے تو گھر میں کھانے کی چیزیں خود ہی مل جاتی تھیں اور انھیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں کہاں سے میسر ہوئیں؟

یہ چند واقعات میں نے دنیا کے مشہور ومعروف عالم دین علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب (**الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان**) سے نقل کیے ہیں۔ یہ بات واضح کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ شریعت اسلامیہ کے اصول ومآخذ قرآن وحدیث یا قرآن وحدیث کی روشنی میں اجماعِ امت اور قیاس ہی ہیں۔ بزرگوں کے واقعات سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے؛ لیکن نیک لوگوں کے واقعات سے بصیرت وعبرت ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اس استفادہ کے پیش نظر ابتدا سے ہی بزرگوں کی کرامات اور اُن کے واقعات تحریر کیے جاتے رہے ہیں؛ لیکن کتابوں میں مذکور بعض کرامات اور واقعات کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت کے کسی مکتب فکر یا عالم دین (خواہ وہ کسی بھی مسلک کا ہو) کی تضحیک کرنا یا تکفیر کرنا یا اس کو برا بھلا کہنا قطعاً دین نہیں ہے؛ بلکہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی ہے۔

سوشل میڈیا پر جاری بحث ومباحثہ سے ایسا یقین ہوتا ہے کہ بعض حضرات اصلاح کے نام پر ملتِ اسلامیہ میں تخریب اور فساد برپا کرنے پر مصر ہیں اور ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ ''اصلاح مذہبیت'' کا فریب دے کر اپنے حلقے کو وسیع کریں۔ یہ بھی دیکھا جارہا ہے کہ اس طرح کے لوگ کسی متقی عالم دین یا کسی مکتب فکر کی دینی واصلاحی خدمات کو ذکر کرنے کے بجائے اُن پر کیچڑ اچھالنا اپنی انا کی تسکین اور اپنے تخریبی مشن کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس بات سے ہم سب ہی واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انبیاء کرام ہی معصومیت کے درجے پر فائز ہیں۔ بقیہ تمام لوگ غلطی کے مرتکب

ہوسکتے ہیں۔ ہمارے علماء دین بھی بشر ہیں اوران سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اور کوتاہی بھی؛ لیکن اپنے ذاتی مفادت حاصل کرنے کے لیے علماء دین یا کسی مکتبۂ فکر کی تضحیک یا سب وشتم ایک شیطانی عمل ہے۔ اختلاف رائے بالکل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اپنے بارے میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ علماء دین کی اِس تذلیل وتضحیک سے کس اسلامی مسلک کی یا کس سیاسی جماعت کی خدمت مقصود ہے؟

اپنی ذات کا محاسبہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بہ دعا ہیں کہ مسلمانوں کو اخوت ومحبت کے اصول پر کاربند رہ کر دینِ اسلام پر چلنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے والا بنائے۔ آمین۔

انسان کی عقل چونکہ محدود ہے؛ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رونما ہونے والے معجزات وکرامات کا مکمل طور پر احاطہ کرلے، لہٰذا ایک سلیم الطبع دینی سمجھ کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں کی شناخت کرنی چاہیے، جن کا واحد مشن دین اسلام کی تضحیک وتذلیل اور ملت اسلامیہ میں انتشار پیدا کرکے اسلام دشمن طاقتوں کی خدمت کرنا ہے۔

❁ ❁ ❁

حقوقِ نسواں، دورِ حاضر کے پرفریب نعرے اور اسلامی تعلیمات

از: مولانا اسرارالحق قاسمی

عورتوں کے حقوق اور ان کے احترام کے عہد کو دہرانے کے لیے ہر سال ۸/مارچ کو یوم خواتین کے طور پر منایا جاتا ہے، اس کا سلسلہ کم وبیش سو سال سے جاری ہے، پہلے یہ دن صرف روس اور چین وغیرہ میں منایا جاتا تھا؛ مگر ۱۹۷۵ء میں اقوامِ متحدہ نے باقاعدہ اس دن کو عالمی سطح پر خواتین کے دن کے طور پر منائے جانے کی قرارداد پیش کی اور اس کے بعد سے اب تک یہ سلسلہ پوری دنیا میں جاری ہے۔ اس دن عام طور پر حقوقِ نسواں کے علم بردار افراد اور ادارے مختلف جلسے جلوس کے ذریعے یا تحریروں اور تقریروں کے ذریعے سے خواتین کے حقوق کو بیان کرتے ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو ختم کرنے کا عزم دہراتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے سیکڑوں ممالک کا سیاسی و معاشرتی ماحول مختلف ہے اور ہر جگہ کے مسائل و مشکلات الگ الگ ہیں، اسی مناسبت سے وہاں کی خواتین کے مسائل بھی مختلف ہوں گے، عام طور پر جنسی نابرابری کا زیادہ چرچا کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ عورتوں کو اپنے گھروں میں یا کام کرنے کی جگہوں پر جنسی تفریق سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان کے ساتھ مردوں کے مقابلے میں امتیاز برتا جاتا ہے، تیسری دنیا کا معاشرہ تو خیر اس دور میں بھی اس حوالے سے پیچھے ہی سمجھا جاتا ہے، لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ وہ ممالک جہاں کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہاں کے ہر شہری کو مکمل حقوق اور آزادی حاصل ہیں، وہاں کی صورتِ حال بھی اندوہناک ہی ہے؛ چنانچہ یومِ خواتین کے موقع پر جو دنیا بھر سے خواتین کے احتجاج کی خبریں اور تصویریں سامنے آتی ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد یورپی ممالک کی خواتین کی ہی ہوتی ہے۔

اصل معاملہ کیا ہے؟ اصل معاملہ یہ ہے کہ خواتین کے لیے سال کے ایک مخصوص دن کا متعین کیا جانا بذاتِ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورتوں کو معاشرے میں وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو مردوں کو حاصل ہے اور یہ بات اتنی باریک اور گہری نہیں ہے کہ اس کو سمجھانے کے لیے باقاعدہ دلائل کی ضرورت پڑے، بس آپ یہ سمجھیے کہ مردوں کے لیے تو کسی عالمی ادارے کی جانب سے کوئی مخصوص دن متعین نہیں کیا گیا ہے، جس میں اگر ان کے حقوق واختیارات کا نہیں تو کم از کم اسی بات پر زور دیا

جائے کہ معاشرے میں ان کی ذمے داریاں کیا کیا ہیں اور انھیں اپنے بیوی بچوں اور دوسرے افراد کے ساتھ زندگی میں کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ پس آٹھ مارچ کے دن کو خواتین کے لیے مخصوص کر لینا اور اس دن آزادیِ نسواں اور حقوقِ نسواں وغیرہ پر لکچرز دینا، لکھنا اور بولنا محض ایک رسم تو ہوسکتی ہے؛ لیکن اس کا کوئی معقول اور درست نتیجہ سامنے آنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی یا ان کے حقوق کی بات کرنے والے یا اس کے لیے تحریکیں چلانے والے لوگ چاہتے کیا ہیں، یہ اب تک دنیا کے سامنے نہیں آسکا، اس ضمن میں اگر آپ اس تحریک کے علمبرداروں کی تحریریں پڑھیں، ان کی تقریریں سنیں اور ان کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے عورتوں کی آزادی اور حقوق کا سارا دائرہ جنسی آزادی میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے، سارے ایسے لوگوں کو حقوقِ نسواں کا علمبردار کہا جاتا ہے جنھوں نے اپنی تحریروں میں جنسی انارکی کو پیش کیا ہو۔ اب کوئی بھی انصاف پسند انسان بتائے کہ کیا یہی عورتوں کی آزادی ہے اور کیا بس یہی عورت کا حق ہے کہ وہ جہاں تہاں اپنے وقار، عصمت اور عفت کی بے حرمتی سہتی پھرے۔ دراصل یہ اشرف المخلوقات کی رسوائی اور شیطان صفت انسانوں کی گندی سوچ کا نمونہ ہے۔

جب بھی عورتوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے تو لازماً اسلام کے معاشرتی نظام پر اشکال کیا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورتوں پر بہت ظلم کیا ہے۔ اس کو حقوق سے محروم رکھا ہے اور اسے قیدی بنا کر رکھ دیا ہے؛ حالاں کہ دوسری طرف آزادیِ نسواں کے علمبرداروں کا حال یہ ہے کہ وہ عورتوں سے دفتروں میں، کارخانوں میں کام بھی کروا رہے ہیں اور دوسری طرف انھیں سے بچے بھی پیدا کروا رہے ہیں، بچوں کی پرورش بھی عورتوں کے ذریعے ہی کروا رہے ہیں، آج کے دور میں جو بہت زیادہ ترقی یافتہ اور روشن خیال اور آزادیِ نسواں پر یقین رکھنے والے لوگ ہیں وہ اپنی عورتوں کو اگر بہت زیادہ بااختیار بنا دیتے ہیں تو یہ کرتے ہیں کہ بچوں کی پرورش کے لیے کوئی دوسری عورت رکھ لیتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ طرح طرح کی زیادتی کی جاتی ہے، اب کوئی بتائے کہ وہ دوسری عورت کیا عورت نہیں ہے؟ جہاں تک اسلام کی بات ہے تو اس سلسلے بس اس حقیقت کو جان لینا ہی کافی ہے کہ عورتوں کے حقوق واختیارات کی بات کرنے والے لوگ، ممالک اور ادارے تو ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے سامنے آئے ہیں؛ جب کہ اسلام نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی عورتوں کو ہر قسم کے مظالم سے اور زیادتیوں سے آزادی دلائی تھی، سب سے پہلے اسلام نے یہ تصور عام کیا کہ بحیثیت انسان کے مرد وعورت دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں اشرف المخلوقات ہیں، ورنہ اس سے پہلے کے مذاہب اور تہذیبیں تو عورت کو انسان بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، چہ جائے کہ انھیں

حقوق دیتے۔ جو حقوق عورتوں کو اسلام نے دئے ہیں اور جس فیاضی سے دئے ہیں، وہ دنیا کی کوئی بھی تہذیب یا ادارہ آج تک نہ دے سکا۔ اسلام نے عورت کو ہر حیثیت سے ایک منفرد مقام دیا ہے اور باقاعدہ اس کا تعین کیا ہے۔ اگر بیوی ہے تو گھر کی ملکہ ہے، بیٹی ہے تو والدین کے لیے رحمت ونعمت ہے، بہن ہے تو اس کی پرورش کرنے والے بھائی کے لیے جنت کی بشارت ہے اور اگر ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، عورت کے حوالے سے اسلام کا یہ مجموعی تصور ہے، کیا اتنا پاکیزہ اور جامع تصور کوئی بھی تہذیب پیش کرسکتی ہے؟ اس کے علاوہ اسلام نے عورتوں کے تعلیمی، معاشرتی و معاشی حقوق واختیارات کو بھی واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ماں کی گود کو بچے کی پہلی تعلیم گاہ قرار دیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ عورت کا تعلیم یافتہ ہونا اور مہذب ہونا کتنا ضروری ہے۔ انھیں حلال روزی کمانے اور اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا پورا اختیار ہے، کسی کو اجازت نہیں کہ اس کے مال میں تصرف کرے۔ شادی بیاہ کے معاملے میں اگرچہ ولی کو لڑکا تلاش کرنے اور پسند کرنے کا اختیار ہے؛ لیکن لڑکی کی مرضی اور خواہش کے بغیر کہیں بھی اس کی شادی نہیں کی جاسکتی، اس کی رضامندی ضروری ہے۔ اسلام نے اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورت کی فطری حالت اور ساخت کو بھی مدنظر رکھا ہے اور اسی وجہ سے کچھ معاملوں میں مردوں کے احکام الگ ہیں؛ جب کہ عورتوں کے الگ ہیں اور اس میں کسی اچنبھے کی بات بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ ہم سب دیکھتے اور جانتے ہیں کہ چاہے انسان کا معاملہ ہو یا حیوان کا یا کسی بھی چیز کا جتنی اس کی صلاحیت اور وسعت ہوتی ہے اسی کے مطابق اس پر ذمے داری عائد کی جاتی ہے یا اسی کے مطابق اس کو اختیارات دئے جاتے ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کی زندگی بھر کے تمام تر مرحلوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے اور عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے حقوق اور اختیارات طے کرتا ہے، اگر دونوں اپنے اپنے دائرے میں رہ کر انھیں برتیں تو انسانی معاشرہ ہر طرح سے خوشحال اور مامون بن سکتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے دور میں خود مسلمانوں کا بھی ایک بڑا طبقہ دین اسلام کی تعلیمات وہدایات سے دور ہو چکا ہے، جس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں بے شمار خرابیاں جنم لے چکی ہیں اور بہت سے بد باطن لوگ مسلمانوں کی عملی خامیوں کو اسلام سے جوڑ کر دیکھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے معاشرے میں مرد وزن کے حقوق واختیارات کے حوالے سے اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، اس کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی جائے، ان شاء اللہ اس سے نہ صرف ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے افراط وتفریط کا خاتمہ ہوگا؛ بلکہ دوسرے لوگ بھی ہمارے طرزِ عمل سے متاثر ہوکر اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں گے۔

مولانا کفیل احمد علویؒ
عالم، مصنف، صحافی، شاعر اور بے نیاز انسان

از: نایاب حسن

تمام تر یک سوئی، خلوت نشینی اور آس پاس کے ہنگاموں سے بے نیاز ہوکر علم وقلم اور شعروادب کی خدمت میں مصروف رہنے والے حضرت مولانا کفیل احمد علوی رحمۃ اللہ علیہ (۲۰۱۷-۱۹۳۷ء) نے اپنے بیش بہا تجربات اور رجال سازی کی صلاحیتوں کی بدولت سیکڑوں نوجوانوں کی علمی وقلمی تربیت میں بھی اہم ترین رول ادا کیا، وہ ایک مخلص ترین استاذ تھے اور سادہ ترین انسان، شیخ الہند اکیڈمی میں طالب علمی (۱۲-۲۰۱۱ء) کے دوران دوسال مسلسل میں نے انھیں قریب سے دیکھا، ان سے استفادہ کیا اور بہت کچھ سیکھا، ان کی اپنی ایک دنیا تھی، گردوپیش کے ہاؤ ہو سے بے نیاز وہ اپنے آپ میں مگن رہتے، بغل میں ایک چھوٹا سا بیگ دبائے پابندی سے شیخ الہند اکیڈمی آتے، صحافت وتحریر کے حوالے سے طلبہ کی رہنمائی کرتے، صبح سے شام تک مختلف مرحلوں میں چائے کا دور چلتا اور تعلیمی وقت کے اختتام کے ساتھ ہی وہ اپنے گھر کو روانہ ہوجاتے، کم وبیش پچاس سال انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے مختلف شعبوں میں استاذ، نگراں یا ذمے دار کی حیثیت سے گزارے؛ مگر وہ کسی بھی قسم کی انتظامی یا غیر انتظامی سیاست سے یکسر الگ رہے، اسی کی دہائی میں دارالعلوم میں جو تبدیلی آئی تھی، اس کے وہ چشم دید گواہ تھے؛ بلکہ کئی بار انھوں نے مجھے اس دور کے بعض واقعات بھی سنائے؛ لیکن اس پورے منظرنامہ میں وہ کسی بھی قسم کے تنازع سے دور ہی رہے، ان کی نگاہ معاملہ شناس اور دل دماغ بیدار تھے۔ وہ ایک ذہین ترین آدمی تھے، جب بات چلتی تو وہ تاریخ کے بعض دلچسپ اور پوشیدہ حقائق وواقعات کی مختلف پرتوں کو بڑی پُرکاری سے کھولتے، وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے آخری دور کے شاگردوں میں سے تھے اور ان کا علم مستحضر تھا، جب کبھی کسی علمی موضوع پر بحث چھڑتی، تو بڑی دقیقہ سنجی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

ان کے والد حضرت مولانا جلیل احمد کیرانوی دارالعلوم کے استاذِ حدیث تھے، حضرت مولانا علوی کی پوری تعلیم ازابتدا تا انتہا وہیں ہوئی، اس کے بعد تازندگی دارالعلوم ہی میں تدریسی، تصنیفی، صحافتی خدمات انجام دیں۔ ان کا اصل میدانِ عمل تحریر وتصنیف اور شعروشاعری تھا، ۱۹۵۰ء سے انھوں نے باقاعدہ لکھنا شروع کیا اور ''تجلی''، ماہنامہ ''دارالعلوم'' اور ''چراغِ حرم'' جیسے رسائل میں چھپنے لگے، اس کے بعد مختلف ادوار میں ان کے قلم سے ''تقریرِ بخاری''، ''اسلام مدینہ سے مدائن تک''، ''اعجازِ نبوی'' اور ''راہِ حق کے مسافر'' جیسی کتابیں منظرِ عام پر آئیں، انھوں نے متعدد عربی کتابوں کے اردو ترجمے بھی کیے، جب پندرہ روزہ ''آئینۂ دارالعلوم'' نامی اخباری جریدے کا اجرا عمل میں آیا، تو اس کی ادارت انھیں سونپی گئی اور اپریل ۲۰۰۹ء تک انھوں نے اس پرچے کی بخوبی ادارت کی، اس دوران ملکی وعالمی حالات پر انھوں نے بیش قیمت شذرات تحریر فرمائے، جب روزنامہ سہارا شروع ہوا، تو ابتدا میں ایک عرصے تک اس میں کالم لکھتے رہے، پھر یہ سلسلہ رک گیا، اخبار والے مضمون کا مطالبہ کرتے اور وہ انھیں ٹالتے رہتے۔ وہ عموماً سیاسی وسماجی موضوعات پر لکھا کرتے تھے اور ان کی تحریروں میں جہاں فکری بصیرت کا عنصر بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا، وہیں فنی اعتبار سے بہترین نثر کی تمام تر خصوصیات ان کی تحریروں میں ملتی تھیں، وہ حالات کا تجزیہ موضوع کے تمام تر پہلوؤں پر حاوی ہوکر کیا کرتے تھے اور ان کے طریقۂ استنتاج سے معلوم ہوتا تھا کہ بلاشبہ وہ ایک دیدہ ور اور زمانہ شناس صحافی ہیں، ''آئینۂ دارالعلوم'' میں کم وبیش پچیس سال تک مسلسل لکھے گئے ان کے اداریے اور مضامین اس قابل ہیں کہ انھیں جمع کرکے شائع کیا جائے، یہ ایک اہم کام ہوگا اور مولانا کو بہترین خراجِ عقیدت بھی!

مولانا طلبہ کی تربیت بڑے خلوص اور لگن کے ساتھ کرتے تھے، اپنے شاگردوں کی کامیابی پر بہت خوش ہوتے اور اس کا اظہار بھی کرتے، ان کے زیرتربیت کوئی طالب علم اگر اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتا، تو دوسروں کے لیے اسے نمونہ قرار دیتے، کسی طالب علم کا کوئی مراسلہ یا مضمون کسی اخبار میں شائع ہوتا، تو بہت خوش ہوتے، خود بھی کئی بار پڑھتے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیتے، ہمارے ایک ساتھی تھے، جن کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ دوسری بہت ساری مصروفیات بھی درپیش رہتی تھیں، انھیں بہت جلد اندازہ ہوگیا کہ مولانا اپنے شاگردوں کی تحریر اخبار میں چھپنے سے بہت خوش ہوتے ہیں، سو وہ اپنی عادت کے مطابق کلاس سے ہفتہ پندرہ دن غیر حاضر رہتے، پھر جب آتے اور انھیں مولانا کی ڈانٹ پڑنے والی ہوتی، تو کلاس میں داخل ہوتے ہی وہ فوراً کسی اخبار میں شائع شدہ اپنا ایک مراسلہ ان کے سامنے پیش کردیتے، اتنا دیکھتے ہی ان کا غصہ کافور ہوجاتا اور اس بندے کا جرم معاف۔ اکیڈمی میں قیام کے دوران میں نے پاکستان کے معروف ادیب، صحافی و شاعر

آغا شورش کاشمیری مرحوم کی مختلف تصانیف سے مضامین کا ایک انتخاب مرتب کیا اور اسے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو مولانا نے خوب حوصلہ افزائی کی اور کتاب پر تحسین آمیز تشجیعی کلمات بھی تحریر فرمائے، اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی صحافتی خدمات پر اپنا تحقیقی کام جو ''دارالعلوم دیوبند کا صحافتی منظرنامہ'' کے نام سے شائع ہوا، میں نے انھیں کی رہنمائی میں مکمل کیا، شروع سے آخر تک مجھے ان کی نگرانی حاصل رہی؛ بلکہ انھوں نے پورے مقالے کو تقریباً حرف بحرف پڑھا، حسبِ ضرورت ترمیم واصلاح کی اور بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی، وہ چاہتے تھے کہ یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہو؛ لیکن مختلف اسباب کی بنا پر یہ ممکن نہ ہوسکا۔

۱۹۸۴ء میں دارالعلوم دیوبند کے اولین فاضل اور عظیم مجاہد آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے منسوب ایک علمی، تحقیقی وتربیتی ادارے شیخ الہند اکیڈمی کا آغاز ہوا، جس کی سربراہی ممتاز عالم دین، مصنف ومفکر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو سونپی گئی؛ لیکن اس ادارے کو مولانا کی سرپرستی زیادہ دنوں تک حاصل نہ رہ سکی اور چند ماہ بعد ہی ۱۹۸۵ء میں مولانا اکبرآبادی وفات پاگئے، ان کے بعد اکیڈمی کا ڈائریکٹر حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کو اور نگرانِ عام معروف مصنف ومؤرخ قاضی اطہر مبارک پوری کو مقرر کیا گیا اور وہ تاحیات اس کی نگرانی فرماتے رہے، جولائی ۱۹۹۶ء میں قاضی صاحب بھی رحلت فرماگئے، پھر شیخ الہند اکیڈمی کا ڈائریکٹر حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب رکن شوریٰ کو اور ناظم مولانا کفیل احمد علوی کو مقرر کیا گیا اور تب سے لے کر تادمِ واپسیں انھوں نے یہ ذمے داری پوری دیانت داری سے نبھائی، ۱۹۹۷ء میں مولانا ہی کے زیرِ نگرانی نئے فضلا کی صحافتی وتحریری تربیت کا ڈپلوما سطح کا ایک کورس شروع کیا گیا، جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے، اس میں تدریس وتربیت کی تمام تر ذمے داری مولانا مرحوم اور معروف صحافی جناب عادل صدیقی کے سپرد رہی، بیچ میں (۶-۲۰۰۴ء) مشہور محقق ومصنف مولانا عبدالحفیظ رحمانی بھی اکیڈمی سے وابستہ رہے، بعد میں مؤخرالذکر دونوں حضرات کی اکیڈمی سے علیحدگی ہوگئی اور اکیڈمی کو اُس حد تک فروغ حاصل نہ ہوسکا، جس کا خواب مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے دیکھا تھا؛ لیکن اس کے باوجود مولانا کفیل احمد علوی کی ذاتی محنت اور اس میں زیرِ تربیت طلبہ کے شوق وذوق کی وجہ سے بیس پچیس سال کے عرصے میں اکیڈمی سے کئی ایسے فضلا نکلے، جنھوں نے صحافت یا تصنیف وتحقیق کے میدان میں خاصی شہرت حاصل کی اور متعلقہ حلقوں میں اپنے آپ کو تسلیم کروایا، نئی نسل میں مفتی اعجاز ارشد قاسمی، مولانا یوسف رام پوری، مولانا بختیار ثاقب قاسمی، مولانا احسن اللہ مظفر پوری، مولانا شاہد وصی، مولانا ذوالفقار بہرائچی وغیرہ بیسیوں فضلا صحافت، تحقیق وتصنیف کے شعبے میں مانوس

ومشہور نام ہیں اور یہ سب شیخ الہند اکیڈمی کے تربیت یافتہ ہیں، جب مولانا مرحوم کو اپنے شاگردوں کی کامیابی کے بارے میں پتا لگتا، تو ان کے چہرے کی چمک دیدنی ہوتی، وہ حقیقی معنوں میں ایک مخلص اور نہایت بےلوث استاذ تھے، سادگی ان کے رگ وپے میں ایسی رچی بسی ہوئی تھی کہ انھیں دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ وہ کس مرتبے کے انسان ہیں؛ شہرت و ناموری سے گویا ساری عمر وحشت زدہ رہے، جلوت سے گریزاں اور خلوت گزینی ان کی فطرت کا حصہ بن گئی تھی، بے نیازی ایسی کہ ان کی تحریروں نے کئی ایک تیز طرار مولویوں کو صاحبِ تصنیف بنا دیا۔ حضرت نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی ایک تاریخ لکھی ہے، جو ابھی مسودے کی شکل میں ہے، میں نے انھیں دکھانے کو کہا تو وہ ٹال گئے، بتایا کہ اس میں انھوں نے اپنے آنکھوں دیکھے اور برتے ہوئے مختلف حالات وواقعات کو پوری غیر جانب داری کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ان کی شاعرانہ خصوصیات بھی کمال کی تھیں، فنی اعتبار سے شاعری کے رموز واسرار انھوں نے مولانا عامر عثمانی سے سیکھے تھے اور پھر خود قادرالکلام شاعر ہوگئے، ''آئینۂ دارالعلوم'' کے صفحات پر موقع بموقع ان کی خوب صورت غزلیں اور نظمیں مسلسل شائع ہوتی تھیں، حالیہ دنوں میں ان کا ایک شعری مجموعہ بھی ''شوقِ منزل'' کے نام سے طبع ہوا ہے، ان کی شاعری عامر عثمانی کی طرح مقصدیت سے معمور ہے، عموماً چھوٹی چھوٹی بحروں اور سادے الفاظ میں بڑی قیمتی بات کہہ جاتے ہیں، سماج اور معاشرے میں پائی جانے والی خامیوں، کمزوریوں اور ملک وملت کے ناگفتہ بہ احوال کے پس منظر میں ان کے بہت سے اشعار اور نظمیں خاص معنویت کی حامل ہیں، ایک زمانے میں ان کی بعض نظمیں اور اشعار ملک بھر میں مشہور ہوئے اور ضرب المثل بن گئے تھے، معروف شاعر ڈاکٹر کلیم احمد عاجزؔ کی دعائیہ نظم ''رات جی کھول کے پھر میں نے دعا مانگی ہے'' کی زمین میں مولانا کی بھی ایک طویل نظم ہے، جو آئینۂ دارالعلوم میں شائع ہوئی تھی، اس کے الفاظ، اسلوب، مشمولات، طرزِ اظہار واحساس میں وہی نازکی، گداز وسوز پائے جاتے ہیں، جو ڈاکٹر کلیم عاجزؔ صاحب کی نظم میں ہیں۔

بہرکیف! مولانا مرحوم نے بھرپور زندگی گزاری اور ہزاروں لوگوں کے لیے نفع بخش ثابت ہوئے اور اپنی عمرِ مستعار کی متعینہ مدت گزار کر ۱۲؍مارچ ۲۰۱۷ء کو عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کر گئے، یہ حقیقت ہے کہ خلوت نشینی و بے نیازی نے گو اِس دنیا میں اُنھیں شہرت وناموری سے دور رکھا؛ مگر امیدِ قوی ہے کہ اللہ عزوجل کے یہاں ان کی جملہ خدمات وحسنات کا بہتر سے بہتر بدلہ مقدر ہوگا۔

❁ ❁ ❁

مسائل وفتاویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہت سی مسجدوں میں (تبلیغی بھائی) جماعتی ساتھی بالکل منبر ومحراب کے سامنے کتابی تعلیم، وعظ وبیان، مشورے کرتے ہیں۔

جس کی وجہ سے عام مقتدیوں کو نیز نفل پڑھنے والوں اور اپنے اوراد پورے کرنے والوں اور تلاوتِ قرآن کرنے والوں کو ذہنی انتشار اور خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے، نیز بعض مسجدیں ایسی ہوتی ہیں جہاں دوسری جگہ ان دینی اعمال کے لیے موزوں اور مناسب نہیں جہاں دلجمعی کے ساتھ یہ اعمال عام آدمی بروقت خشوع اور خضوع کے ساتھ پورا کرسکے نیز بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک غیر عالم منبر کے اوپر بیٹھ کر تقریر کرتے ہیں۔

(۳) لہٰذا جماعتی بھائیوں کا منبر ومحراب کے سامنے ایسا کرنا اور غیر عالم کا منبر ومحراب پر بیٹھ کر بیان کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتیان: نثار احمد (بندی والے)، خورشید عالم
کانکی نارہ، ضلع ۲۴ پرگنہ، شمالی کولکاتا (ویسٹ بنگال)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا مصلیا ومسلمًا، الجواب وباللّٰہ التوفیق والعصمۃ: مسجد دراصل نماز کے لیے ہے، مسجد میں اتنی بلند آواز سے وعظ کہنا یا کتاب پڑھنا کہ نمازیوں کو خلل ہو درست نہیں ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ تعلیم ووعظ کا نظام ان نمازوں کے بعد بنایا جائے جن کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں، مثلاً فجر کے بعد یا عصر کے بعد اور نوافل و اوراد پورے کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ اگر کبھی نماز کے بعد وعظ یا تعلیم کا اعلان ہوجائے تو مسجد کے گوشے میں یا بیرونی حصہ میں نوافل واوراد پورے کریں، نیز وعظ وتعلیم کرنے والوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وعظ وتعلیم کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو، بہرحال سب کو رفیق بن کر کام کرنا چاہیے نہ کہ حریف بن کر۔

(۳) غیر عالم جماعتی احباب کو چاہیے کہ وہ معتبر مستند کتابیں پڑھ کر سنادیا کریں؛ کیوں کہ وہ بیانات میں بسا اوقات غلو؛ بلکہ کبھی کبھی قرآن وحدیث کے صریح خلاف بیان کردیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۸/۲/۸ھ

محمد اسداللہ غفرلہ
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۸/۲/۸ھ

مفتیانِ کرام کی خدمتِ اقدس میں سوال یہ ہے کہ کیا کسی مدرسہ میں ذمہ دارانِ مدرسہ کی طرف سے اساتذہ کے لیے طلبہ کو کسی بھی طرح تنبیہ کرنے کی اجازت نہ دینا اور تنبیہ یا سزا دینے پر اس استاذ کو مدرسہ سے نکال دینا امورِ مدرسہ اور اکابر دیوبند کے نظریات کے مطابق ہے؟ اس طرح کا قانون طے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا مدرسہ ایسے ملک میں ہے جہاں کسی بھی کالج یا اسکول یا مدرسہ یا دارالعلوم میں کسی طالب علم کو مارنا یا تنبیہ کرنا قانونی جرم ہے؛ یہاں تک کہ کوئی بھی سزا نہیں دی جاسکتی۔ بسا اوقات اساتذہ نے اس تنبیہ کے مسائل میں کورٹ کی کارروائی کا بھی سامنا کیا جس کے نتیجے میں ہمارے مدرسے نے یہ قانون بنایا اور اساتذہ کرام کو اس کی خلاف ورزی پر اخراج کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے مدرسہ کو جلد رہنمائی فرمائیں؛ تاکہ اگر یہ صحیح ہے اس کو برقرار رکھا جائے اور اگر نہیں تو دوسرے طریقوں سے بھی ہماری ضرور رہنمائی فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصليا ومسلمًا، الجواب وبالله التوفيق والعصمة: فقہاء نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ استاذ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ طالب علم کی غلطی پر مناسب تنبیہ کرے یا تھوڑی پٹائی کرے؛ کیوں کہ ''ولی'' کی طرف سے دلالۃً اس کی اجازت ہوتی ہے **يجوز للمعلم أن يضربه بإذن أبيه نحو ثلاث ضربات ضربًا وسطاً سليماً لا بخشبة الخ (حاشية الطحطاوی علی الدر) وقال الشامی: وفيها عن الروضة ولو أمر غيره بضرب عبده حلّ للمأمور ضربه بخلاف الحرّ، قال: فهذا تنصيص علی عدم جواز ضرب ولد الآمر بأمره بخلاف المعلم؛ لأن المأمور يضربه نيابةً عن الأب لمصلحة والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليك أبيه لمصلحة الولد (درمختار مع الشامی ۱۳۰/۶، زکريا)** لیکن اب چوں کہ حالات کافی بدل چکے ہیں، ولی کی طرف سے دلالۃً اجازت کی بات بھی پہلے کی طرح نہ رہی، نیز آپ کے یہاں حکومت کی طرف سے بھی سختی کے ساتھ منع ہے، اس طرح بعض مرتبہ اساتذہ بچوں کو مارنے یا تنبیہ کرنے میں حدودِ شرع کی بھی رعایت نہیں کرتے؛ اس لیے صورتِ مسئولہ میں ادارہ یہ قانون بناسکتا ہے کہ اساتذہ کا کام بچوں کو پڑھانا ہے، اگر کوئی بچہ سبق یاد نہیں کرتا یا غیر حاضری کرتا ہے تو خود تنبیہ نہ کریں اور نہ ہی اسے ماریں؛ بلکہ انتظامیہ کو اس کی اطلاع دے دیں، بہ وقت تقرری اساتذہ کو یہ بات بہ صراحت بتلادی جائے اگر پھر بھی اساتذہ متعدد بار اس کی خلاف ورزی کریں تو ادارہ انھیں معزول کرسکتا ہے، شرعاً اس کی گنجائش ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی الٰہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۸/۶/۴ھ

محمد اسد اللہ غفرلہ
دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۸/۶/۲ھ

دارالعلوم دیوبند میں
رابطۂ مدارس اسلامیہ کی مجلس عاملہ کا اجلاس

ازقلم: مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
ناظم عمومی کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ
واستاذ دارالعلوم دیوبند

رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کا نظام باقاعدگی کے ساتھ استوار رکھنے کے لیے دو مجلسیں قائم ہیں، ایک مجلس عمومی، جس کے ارکان میں تمام مربوط مدارس کے ذمہ داران شامل ہیں، دوسری مجلس عاملہ، جو اکیاون ارکان پر مشتمل ہے، مجلس عمومی کا اجلاس تین سال کے وقفے سے ہوتا ہے، جب کہ مجلس عاملہ کا اجلاس ہر سال منعقد ہوتا ہے، اور رابطۂ مدارس اسلامیہ عربیہ کے نظام میں استحکام وترقی کے حوالے سے اہم امور زیر بحث آتے ہیں۔

چناں چہ مورخہ ۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۶/ مارچ ۲۰۱۷ء کو مجلس عاملہ کا اہم اجلاس، رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے عالی قدر صدر محترم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زیر صدارت مہمان خانۂ دارالعلوم میں منعقد ہوا، جس میں ملک کے مختلف صوبوں سے اراکین گرامی قدر اور مدعوین خصوصی حضرات شریک ہوئے۔

اجلاس کا آغاز جناب مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری، استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔

بعد ازاں حضرت صدر اجلاس دامت برکاتہم نے اپنے افتتاحی خطاب میں رابطۂ مدارس سے متعلق اہم امور کی جانب متوجہ فرمایا، حضرت والا نے فرمایا کہ کل ہند رابطہ مدارس کی مجلس عاملہ کے اس اجلاس میں ہمیں اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے اور اپنا محاسبہ بھی کرنا ہے، نیز دینی تعلیمی اور ملّی امور

میں مدارسِ اسلامیہ کے کردار کو مزید بہتر بنانا ہے، حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت، ملک وملت کی تعمیر وترقی میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے، رابطہ مدارس کا بنیادی مقصد ان مدارس کو اکابر دیوبند کے نہج پر باقی رکھتے ہوئے ملک وملت اور مسلم معاشرے کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنانا ہے، اور ان کے نظام کو مستحکم کرنا ہے۔

ایجنڈے کی دفعہ ''تحفظِ شریعت'' کے حوالہ سے حضرت والا نے فرمایا کہ مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین قرآن وحدیث کے اہم مسائل ہیں، مسلم پرسنل لا میں مداخلت کسی طرح برداشت نہیں کی جاسکتی، دارالعلوم اور دیگر مدارسِ اسلامیہ، علماء کرام اور پوری ملتِ اسلامیہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی کوششوں کو شریعتِ اسلامی میں کھلی مداخلت سمجھتی ہے اور یکسر مسترد کرتی ہے۔

بعد ازاں راقم السطور شوکت علی قاسمی بستوی (ناظم عمومی رابطہ مدارس) کے ذریعہ سابقہ اجلاس کی خواندگی عمل میں آئی اور حضرت صدر محترم نے اس پر توثیقی دستخط ثبت فرمائے، پھر ایجنڈے کے مطابق ناچیز نے ہی مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی سالانہ رپورٹ پیش کی اور عرض کیا کہ رابطہ کا بنیادی مقصد مدارسِ اسلامیہ کے نظامِ تعلیم وتربیت کو بہتر بنانا؛ درپیش اندرونی وبیرونی مسائل کے لیے متحدہ لائحہ عمل تیار کرنا؛ مدارس اسلامیہ کے خلاف کی جانے والی کوششوں اور سازشوں پر نظر رکھنا؛ علماء میں ربط واتحاد کو فروغ دینا اور دینی ملّی اور ملکی مسائل میں مدارس کے کردار کو زیادہ سے زیادہ موثر وفعال بنانا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ تاحال ۳۰۲۴/ مدارس، رابطہ مدارس اسلامیہ کے باضابطہ رکن ہیں، رابطہ مدارس کی صوبائی شاخوں کی کارکردگی بحمداللہ پہلے سے خاصی بہتر ہوئی ہے۔

رپورٹ میں مرکزی دفتر رابطہ مدارس کے ذریعہ انجام پانے والے امور کے ساتھ رابطہ کی صوبائی شاخوں کی کارکردگی کا جائزہ بھی پیش کیا گیا، رپورٹ کے مطابق رابطہ مدارس کی صوبائی شاخوں میں مغربی بنگال، آسام، جموں کشمیر شاخیں بے حد فعال رہیں، ان صوبوں میں مجلس عاملہ ومجلس عمومی کے اجلاس ہوئے، تدریب المعلمین کا نظام قائم کیا گیا اور مربوط مدارس کا معائنہ وغیرہ بھی کیا گیا۔ مغربی بنگال رابطہ کے صدر محترم مولانا صدیق اللہ صاحب چودھری زیدمجدہم، آسام رابطہ کے صدر حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی زیدمجدہم، ممبر پارلیمنٹ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ہیں، اور جموں کشمیر کے صدر محترم حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب قاسمی زیدمجدہم، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ہیں۔ ان صوبوں میں رابطہ بورڈ کے تحت سالانہ امتحان ۱۴۳۷ھ اجتماعی طور پر منعقد کرایا گیا۔

ان کے علاوہ جن صوبوں کی کارکردگی بہتر رہی ان میں مغربی یوپی زون ۱ وزون ۲ ہیں، زون ۱ کے صدر محترم جناب قاری شوکت علی صاحب زید مجدہ ہیں، اور زون ۲ کے صدر محترم جناب مولانا اشہد رشیدی صاحب زید مجدہٗ ہیں، زون ۲ میں اس سال درجہ سوم وچہارم عربی کا امتحان سالانہ اجتماعی نظم کے تحت کرائے جانے کا فیصلہ کیا گیا، اترا کھنڈ رابطہ بھی خاصا فعال رہا، یہاں رابطہ کے تحت حفظ وتجوید اور عربی درجات کے لیے تدریب المعلمین کا نظام بھی قائم کیا گیا اور مجلس عاملہ کے متعدد اجلاس ہوئے، اس شاخ کے صدر محترم جناب مولانا مفتی ریاست علی صاحب ہریدواری زید مجدہٗ، استاذ دارالعلوم دیوبند ہیں۔

نیز درج ذیل صوبوں میں بھی ان کے صدور کے اہتمام رابطہ مدارس کے امور کی انجام دہی جاری رہی، اکثر صوبوں میں مجلس عمومی ومجلس عاملہ کے اجلاس ہوئے:

رابطہ مدارس شاخ بہار:	صدر:	جناب مولانا محمد قاسم صاحب قاسمی زید مجدہ۔
رابطہ مدارس شاخ راجستھان:	صدر:	صدر جناب مولانا قاری محمد امین صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ کرناٹک:	صدر:	جناب مولانا مفتی زین العابدین صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ دہلی:	کارگزار صدر	جناب مولانا داؤد ظفر اسعدی صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ مدھیہ پردیش:	صدر	جناب مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ آندھرا پردیش:	صدر	جناب مولانا عبدالقوی صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ مہاراشٹر:	صدر:	جناب مولانا مفتی اسماعیل صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ شمالی ہریانہ:	صدر:	جناب مولانا محمد الیاس صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ جنوبی ہریانہ:	صدر:	جناب مولانا محمد خالد صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ پنجاب وہماچل:	صدر:	جناب مولانا مفتی محمد خلیل صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ مشرقی یوپی زون (۱):	صدر:	جناب مولانا محمد متین الحق اسامہ صاحب قاسمی زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ منی پور:	صدر:	جناب مولانا مفتی سراج احمد صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ تامل ناڈو:	صدر:	جناب مولانا ریاض احمد صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ کیرالا:	صدر:	جناب مولانا عبدالشکور صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ اڑیسہ:	صدر:	جناب مولانا محمد جابر صاحب زید مجدہ
رابطہ مدارس شاخ گجرات:	صدر:	جناب مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب زید مجدہ

رابطہ مدارس شاخ مشرقی یوپی زون (۲): صدر: جناب مولانا مفتی اشفاق احمد صاحب زید مجدہ

ان صوبوں میں ایک دو جگہوں پر البتہ سرگرمی زیادہ نہ ہوسکی، ان کے ذمہ داران کو مجلس نے تاکید کی ہے کہ وہ آئندہ اپنے صوبے میں رابطہ مدارس کو فعال بنانے کی جدوجہد فرمائیں۔

اجلاس مجلس عاملہ کی دو نشستیں (نشست اول: ساڑھے آٹھ بجے تا ۱ر بجے دوپہر، نشست دوم: بعد نماز مغرب تا سوا نو بجے شب) ہوئیں، جن میں تحفظ شریعت، تحفظ مدارس، نظامِ تعلیم وتربیت میں استحکام، رابطہ کے دستور میں بعض ضروری ترامیم کی سفارش، رابطہ کی صوبائی شاخوں کی ترقی وغیرہ امور سے متعلق اجتماعی غور وخوض کے بعد اہم فیصلے کیے گئے، طے کیا گیا کہ تحفظ شریعت اور مسلم پرسنل لا سے متعلقہ مسائل کے سلسلے میں علماء اور عوام میں بیداری پیدا کی جائے، مربوط مدارس کے نظام کو مزید بہتر بنانے کے لیے طلبہ کے داخلہ کا نظام مستحکم کیا جائے، داخل ہونے والے طلبہ کی مکمل اور درست معلومات رکھی جائیں، امتحان کے نظام کو بہتر بنایا جائے، جن صوبائی صدور نے مجلس عاملہ رابطہ کی طے کردہ سابقہ تجویز کے مطابق اپنے صوبوں میں مربوط مدارس کے طلبہ کے اجتماعی امتحان کا نظم اس سال قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے مربوط مدارس اجتماعی امتحان میں مکمل تعاون کریں، ان شاء اللہ آئندہ رابطہ مدارس کے تحت ہونے والے اجتماعی امتحان کے بہت بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔

رابطہ کی صوبائی شاخوں میں اجتماعی نظم کے تحت مربوط مدارس کے سالانہ امتحان کے اصول اور طریقۂ کار طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے، جس کے ارکان گرامی حسب ذیل ہیں:

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، مہتمم دارالعلوم وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی، شوکت علی قاسمی بستوی، ناظم عمومی رابطہ مدارس۔

اجلاس میں طے کیا گیا کہ رابطہ مدارس کا بنیادی مقصد نظامِ تعلیم وتربیت کو مستحکم بنانا ہے، لہٰذا رابطہ کے صوبائی صدور اپنے مربوط مدارس میں اس کے لیے خصوصی جدوجہد فرمائیں، جو امور رابطہ کے سابقہ اجلاسوں میں طے پائے ہیں ان کو روبہ عمل لائیں، مثلاً ابتدائی عربی جماعتوں اور حفظ وتجوید کے لیے اساتذہ کی تربیت، مدارس کے معائنہ وغیرہ کا نظام جاری رکھا جائے، مدارس کے حساب وکتاب میں شفافیت رکھی جائے اور مکمل حساب آڈٹ کرایا جائے، نیز اگر کسی علاقے میں مدارس کے

خلاف حکومت یا دیگر عناصر کی طرف سے کسی مہم کا پتہ چلے تو اس سے مرکزی دفتر رابطہ کو مطلع کیا جائے۔

اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں اساتذۂ دارالعلوم میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قمرالدین صاحب گورکھپوری، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، حضرت مولانا نورعالم صاحب امینی، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی، حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی، ناظم تعلیمات کے علاوہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب میرقاسمی، رکن شوریٰ دارالعلوم، جناب مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مرادآباد، جناب مولانا قاری شوکت علی صاحب ویٹ، جناب مولانا صدیق اللہ صاحب چودھری مغربی بنگال، جناب مولانا عبدالقادر صاحب آسام، جناب مولانا عبدالقوی صاحب حیدرآباد، جناب مولانا عبدالہادی صاحب پرتا پگڈھ، جناب مولانا محمد اسجد قاسمی مرادآباد، جناب مولانا مفتی ریاست علی صاحب اتراکھنڈ، جناب مولانا محمد احمد صاحب ایم پی، جناب مولانا ارشد صاحب راجستھان، جناب مولانا داؤد ظفر صاحب دہلی، جناب مولانا زین العابدین صاحب کرناٹک، جناب مولانا مفتی سراج احمد صاحب منی پور، جناب مولانا مفتی اشفاق احمد صاحب سرائے میر، جناب مولانا محمد متین الحق اسامہ صاحب کان پور، جناب مولانا سفیان صاحب کیرالا، جناب مولانا ضیاء اللہ صاحب ایم پی، جناب مولانا محمد الیاس صاحب ہریانہ، جناب مولانا ممتاز صاحب ہماچل، جناب مفتی خلیل صاحب پنجاب، جناب مولانا محمد خالد صاحب ہریانہ، جناب مولانا ریاض احمد صاحب تمل ناڈو، جناب مفتی خلیل الرحمٰن صاحب مہاراشٹر، جناب مولانا منظور عالم صاحب کولکاتا کے نام قابل ذکر ہیں۔

مجلس عاملہ کے اجلاس میں درج ذیل حضرات مرحومین کے لیے ایصال ثواب کیا گیا اور تجویز تعزیت منظور کی گئی:

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی، شیخ الحدیث (ثانی) دارالعلوم دیوبند و رکن مجلس عاملہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب، صدر وفاق المدارس الاسلامیہ پاکستان۔

جناب مولانا عبدالجبار صاحب، ناظمِ اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ بنگلہ دیش۔
جناب مولانا مفتی ظفر الدین صاحب، رکن مجلس عاملہ رابطہ مدارس اسلامیہ۔
جناب مولانا ملک عبدالحفیظ صاحب مکہ مکرمہ۔
جناب مولانا بشیر احمد صاحب ساؤتھ افریقہ۔
جناب مولانا عبدالجلیل صاحب راغبی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ دارالحدیث جے نگر آسام۔
جناب مولانا مفتی ظہور احمد صاحب، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
جناب مولانا مفتی محمد عارف صاحب، ناظم تعلیمات جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر بہار۔
خوش دامن صاحبہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔
اہلیہ محترمہ جناب مولانا معین الدین صاحب، کارکن دارالافتا دارالعلوم دیوبند۔
والدہ محترمہ جناب محمد اسلم صاحب، شعبۂ برقیات دارالعلوم دیوبند۔

ناظم عمومی رابطہ (شوکت علی قاسمی بستوی) نے نظامت کے فرائض انجام دئے۔ استاذ محترم، محدث جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

❁ ❁ ❁

احوال و کوائف

دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کا اجلاس

مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۵/ مارچ ۲۰۱۷ء بروز اتوار مجلس عاملہ دارالعلوم دیوبند کا اجلاس ہوا، جس میں ضروری انتظامی فیصلے کیے گئے، اجلاس میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد سعید احمد صاحب پالن پوری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے علاوہ درج ذیل ارکان نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب، حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب، حضرت مولانا رحمت اللہ میر صاحب، حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب، حضرت مولانا انور الرحمٰن صاحب۔

رابطۂ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کا کل ہند اجلاس

۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۶/ مارچ ۲۰۱۷ء بروز پیر رابطۂ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ کا کل ہند اجلاس، دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں ملک کے مختلف صوبوں سے مجلس عاملہ کے ارکان اور مدعوین خصوصی شریک ہوئے۔

اجلاس کی دو نشستیں ہوئیں، جن میں تحفظ شریعت، تحفظ مدارس، نظامِ تعلیم وتربیت میں استحکام، رابطہ کی صوبائی شاخوں کی ترقی وغیرہ امور سے متعلق اجتماعی غور وخوض کے بعد اہم فیصلے کیے گئے، طے کیا گیا کہ تحفظِ شریعت اور مسلم پرسنل لا سے متعلقہ مسائل کے سلسلے میں علماء اور عوام میں بیداری پیدا کی جائے، مربوط مدارس کے نظام کو مزید بہتر بنانے کے لیے طلبہ کے داخلہ کا نظام مستحکم کیا جائے، داخل ہونے والے طلبہ کی مکمل اور درست معلومات رکھی جائیں، امتحان کے نظام کو بہتر بنایا جائے، جن صوبائی صدور نے مجلسِ عاملہ رابطہ کی طے کردہ سابقہ تجویز کے مطابق اپنے صوبوں میں مربوط مدارس کے طلبہ کے اجتماعی امتحان کا نظم اس سال قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے مربوط مدارس اجتماعی امتحان میں مکمل تعاون کریں، اجتماعی امتحان کے آئندہ بہتر نتائج اور فوائد حاصل ہوں گے۔

واضح رہے کہ اجلاس کی تفصیلی رپورٹ اسی شمارے میں شاملِ اشاعت ہے۔

وفیات

مولانا کفیل احمد علویؒ ناظم شیخ الہند اکیڈمی کا انتقال

حضرت مہتمم صاحب کا اظہار تعزیت

۱۲؍مارچ ۲۰۱۷ء کو سہ پہر کے وقت شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کے ناظم مولانا کفیل احمد علوی کا انتقال ہوگیا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون! مرحوم ۸۵ (پچاسی) سال کے تھے اور گذشتہ چند مہینوں سے صاحبِ فراش ہوگئے تھے۔

مولانا کے انتقال پر حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم نے مرحوم کے اہلِ خانہ سے تعزیت کی اور ان کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ علاوہ ازیں نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی، حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری وغیرہ اساتذہ وکارکنان دارالعلوم نے مرحوم کے اہلِ خانہ کو تعزیت مسنونہ پیش کی۔ دریں اثناء دارالعلوم میں مولانا کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

مولانا کفیل احمد علوی، دارالعلوم دیوبند کے سابق محدث واستاذ درجۂ علیا حضرت مولانا جلیل احمد کیرانوی رحمہ اللہ کے صاحب زادے تھے۔ مرحوم ۱۰؍جنوری ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے اور دارالعلوم میں ہی پوری تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور اپنے والد محترم وغیرہ سے پڑھ کر دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ حضرت مدنیؒ کے درسِ بخاری کو انھوں نے نوٹ کرکے 'تقریر بخاری' کے نام سے ایک جلد میں شائع بھی کیا۔

فراغت کے بعد ہی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوگئے تھے۔ پورے ساٹھ سال تک دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔ ایک زمانہ تک شعبۂ دینیات وفارسی کے مدرس اور ناظم رہے۔ مرحوم ایک باصلاحیت مدرس، قلم کار اور شاعر تھے۔ آپ کا مجموعۂ کلام 'شوقِ منزل' شائع ہوکر عوام وخواص سے دادِ تحسین وصول کرچکا ہے۔

۱۹۸۵ء میں دارالعلوم نے جب پندرہ روزہ اخبار ’آئینۂ دارالعلوم‘ جاری کیا تو اس کی ادارت کی ذمہ داری مولانا مرحوم کو ہی سونپی، جسے مولانا نے بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ آپ کے اداریے بہت پرمغز، معلوماتی اور زبان و بیان کی خوبیوں سے مزین ہوتے تھے۔ آئینۂ دارالعلوم کے ہر شمارہ کی پیشانی پر ایک بہت برمحل، چسپاں اور معنی خیز شعر لکھتے تھے جو عموماً انھیں کا کہا ہوتا تھا۔

شیخ الہند اکیڈمی کے قیام کے بعد ۱۹۹۵ء میں جب ارباب دارالعلوم نے فیصلہ کیا کہ طلبہ کو مضمون نگاری اور انشاء پردازی بھی سکھائی جائے تو یہ اہم ذمہ داری بھی مولانا مرحوم کو سونپی گئی؛ چناں چہ آپ کی زیرتربیت رہ کر طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے استفادہ کیا اور آج وہ صحافت و انشاء پردازی کے میدان میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا مرحوم بہت متواضع، کم گو، نرم طبیعت، با اخلاق اور ذی علم شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی اہلِ خانہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین!

❁ ❁ ❁

نئی کتابیں

بہ قلم: محمد سلمان بجنوری

نام کتاب	:	کلیاتِ کاشف
مجموعۂ کلام	:	حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی راجپوری رحمہ اللہ
تدوین واشراف	:	حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوری صاحب مدظلہٗ
ترتیب وتحشیہ	:	مولانا اشتیاق احمد قاسمی، استاذ دارالعلوم دیوبند
تعدادِ صفحات	:	۳۴۵ قیمت: سو روپے (نٹ)
ناشر	:	مکتبہ مجلس قاسم المعارف دیوبند

==========

عصرِ حاضر میں اردو شاعری کے معیار پر جن لوگوں کی نظر ہے، ان کو کسی شاعر کا مجموعۂ کلام، اپنی جانب کم ہی متوجہ کرتا ہے، عام طور سے افتادہ مضامین، فرسودہ افکار اور سطحی خیالات سے واسطہ پڑتا ہے اور اگر مضمون میں کوئی بات ہو بھی تو تعبیر کا انتخاب، معیاری اور پسندیدہ ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر کوئی ایسا مجموعۂ کلام سامنے آجائے جو نہ صرف زبان وبیان کے اعتبار سے معیاری ہو؛ بلکہ اس کا ہر صفحہ افکار وتعبیرات میں علامہ اقبال کی یاد تازہ کرتا دکھائی دے تو آپ کو خوشگوار حیرت ہی نہیں ہوگی؛ بلکہ اردو شاعری کے معیار سے مایوسی کا بھی ازالہ ہوگا، کلیات کاشف، کچھ ایسا ہی مجموعۂ کلام ہے جس کو دیکھ کر موجودہ دور کے سب سے بڑے نقاد جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے قلم سے یہ الفاظ نکلے کہ:

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی کے کلام کا یہ مجموعہ ''کلیات کاشف'' میں نے کچھ بے دلی سے پلٹنا شروع کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں آج کل اردو شاعری سے بہت بدظن ہوں، گستاخی نہ ہو تو عرض کروں کہ علماء ہوں یا مجھ جیسے کم علم اردو داں، اب شاعری شاید ان کے بس کی نہیں رہ گئی۔ زبان وبیان کے اغلاط اور پست وپامال مضامین دیکھ کر رنج ہوتا ہے؛ لیکن پہلا صفحہ جس پر نظر ٹھہری اس پر

ایک نظم بعنوان ''اسلامیات پر ریسرچ'' دیکھ کر میں دنگ رہ گیا بے ساختہ اقبال کا وہ قطعہ یاد آ گیا جو انھوں نے سر اکبر حیدری کو لکھ بھیجا تھا الخ'' (کلیات کاشف، ص ۵۸) نیز یہ الفاظ کہ ''میرا خیال ہے کلیات کاشف ہمارے زمانے کے قابل ذکر کلیاتِ شعر میں شمار کیا جائے گا'' (ص ۶۰)

کلیاتِ کاشف جس شخصیت کی علمی وادبی صلاحیتوں کا مظہر ہے اُن سے نئی نسل تو تقریباً ناواقف ہے ہی، پہلے بھی ان کا حلقۂ تعارف، ان کے کمالات کے اعتبار سے محدود ترین رہا ہے، ان کی شخصیت، نہایت بلند مقام؛ مگر گمنام ہے؛ لیکن جو لوگ حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوری مدظلہٗ کے علمی وادبی مقام بلند اور ان کے شاہ کار ''ترانۂ دارالعلوم'' سے واقف ہیں ان کے لیے اتنی بات کافی ہوگی کہ مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ریاست علی صاحب کے استاذ شعر وسخن ہیں اور ان کے حلقۂ تربیت میں ڈھلنے والے گوہران آبدار میں حضرت مولانا کے علاوہ بھی بہت سے وقیع نام شامل ہیں، اس حلقہ کے رکن رکین حضرت مولانا عبدالحفیظ رحمانی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''میری نظر میں صاحب کلام کی شخصیت میں فکر وفن کی متعدد جہات ہیں، وہ بہ یک وقت دیدہ ور مصنف، معتبر مفسر قرآن، قادرالکلام شاعر، اعلیٰ درجہ کے نثر نگار اور بہترین مردم ساز تھے، مولانا ریاست علی ظفر بجنوری، مولانا لقمان الحق قاسمی، مولانا صادق علی صادق بستوی (ایڈیٹر ماہ نامہ نقوشِ حیات) مولانا محمد صدیق گونڈوی، مولانا لیاقت حسین منہاج، مولانا فضل الرحمٰن دربھنگوی، مولانا عبدالجلیل راغبی آسامی، مولانا سید ارشد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، مولانا حسن الضمیر کانپوری کے نام بے ساختہ زبان قلم پر آ گئے۔'' (کلیات کاشف ص ۴۲)

مولانا کاشف الہاشمی صاحب کے مکمل تعارف کے لیے حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ کے یہ الفاظ نہایت اہم ہیں جو مرتبِ کلیات اشتیاق احمد صاحب نے ''حرف گفتنی'' میں نقل کر دیے ہیں: ''حضرت کاشف الہاشمی، نکھرا ہوا رنگ، بلند پیشانی، سنہرے چشمہ کے احسانات سے گراں بار بڑی بڑی آنکھیں، نکلتا ہوا قد، ذہانت کا پیکر جمیل، بیٹھیں تو کوہِ گراں کی نشست، چلیں تو ڈھال سے اترتے ہوئے محسوس ہوں، یہی ہیں مملکتِ شعر وسخن کے خاموش تاجدار، اس فن میں تلمُّذ کسی سے نہیں، مگر ذروں کو ہاتھ لگا دیں تو وہ ستارے بن کر چمکنے لگیں، ان کو ترتیب سے رکھ دیں تو کہکشاں کی تصویر ابھر آئے، مضامین ان کے سامنے خود گرفتاری کی پیش کش کریں اور الفاظ موتیوں کی لڑی بن کر ان کے قلم سے بکھرنے میں فخر محسوس کریں'' (کلیات کاشف، ص ۱۹)

ایسی بلند پایہ ادبی شخصیت کا کلام اب تک ناآشنائے اشاعت تھا؛ لیکن اُن کے سب سے قریبی مرتبہ شناس اور قدرداں، حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر مدظلہ، ان کے متفرق کلام کو ایک جلد

میں محفوظ کیے ہوئے موقع اور اسباب کی فراہمی کے منتظر تھے کہ ان کی نظر میں اس کلام کو مرتب کرنے کے لیے جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند، موزوں معلوم ہوے، حضرت موصوف نے یہ کام اُن کے حوالے کردیا اور انھوں نے اپنی فطری مستعدی اور سلیقہ سے یہ کام انجام دے ڈالا، اس طرح کلیات کاشف وجود میں آگئی۔

کلیاتِ کاشف ہمہ رنگ پھولوں کا گلدستہ ہے، اس میں شعری ادب کی متنوع اصناف پر طبع آزمائیوں کے نمونے موجود ہیں، حمد ونعت، نظم وغزل، رباعیات کے علاوہ مراثی، خراجِ عقیدت اور دعائیہ قصائد سے آپ محظوظ ہوں گے، ہاں! اجنبی اصنافِ سخن کو آپ نہ پائیں گے۔ غرض یہ کہ کلیات کاشف بامقصد ادبیات کے ذخیرے میں ایک حسین اضافہ ہے، موصوف کی ساری صنفوں پر علامہ اقبال ہی غالب نظر آتے ہیں، اصول پسندی اور فکری پابندی میں اقبال سے ایک قدم آگے ہیں، علامہ کی شاعری پر فکری زاویے سے مختلف لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں؛ مگر میری نظر میں کلیات کاشف کا قاری ایسی بے راہ روی نہیں پائے گا جو قابلِ گرفت یا باعثِ مذمت ہو، چند حمدیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اُدھر ستاروں میں روشنی ہے، اِدھر قیامت کی تیرگی ہے
کوئی اٹھا کر چراغ جیسے کسی کو راہیں دکھا رہا ہے
نشیب بھی ہے، فراز بھی ہے، سکوں ہے سوز وگداز بھی ہے
صلائے کوشش بشرطِ معنی، ہر ایک محفل میں پا رہا ہے
یہ کون شائستۂ چمن ہے، یہ کون شاہانِ انجمن ہے
بہار پیرایۂ نظر ہے، بساطِ عالم پہ چھا رہا ہے

(کلیات کاشف، ص ۶۳)

عالمِ اضطراب میں توحید کے شواہد کو ایسے حسین پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ بس پڑھیے اور سر دھنیے۔

نعتیہ اشعار بھی اپنے رنگ وآہنگ میں بڑی کشش رکھتے ہیں، غزلیہ اسلوب میں ڈوبی ہوئی تعبیرات نعت کا حسن بڑھا دیتی ہیں، ''بہ درگاہِ سید الانبیاء اور بہ صحبہائے رحمت ملاحظہ فرمائیے!

''نظمیہ شاعری'' میں کاشف الہاشمی کھل کر سامنے آتے ہیں، علامہ اقبال کے حلقۂ سخن میں بڑی ہنرمندی سے کج کلاہی کی راہ ورسم کو خوش اسلوبی سے نبھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، فارسی اور عربی الفاظ کے ذخیرے سے قاری مرعوب کن حد تک متاثر ہوتا ہے۔

نظم کے نمونے پیش کرنے سے بات طویل ہوجائے گی اور بے ربط بھی پھر بھی شکوہِ بیان کے

نمونے کے لیے چند اشعار لکھے جاتے ہیں، شاعر عندلیبِ چمن سے مخاطب ہیں:

اے نوا پردازِ گل، سرمایۂ گلشن ہے تو ☆ جس میں لاکھوں بجلیاں سوتی ہیں وہ ایمن ہے تو
اے ترا سوزِ دروں ہے عزتِ فصلِ بہار ☆ اے ترا جوشِ جنوں ہے بانیِ لیل و نہار
تیرے خوں سے فیض پاتا ہے نہالِ زندگی
تو جمالِ زندگی ہے، تو کمالِ زندگی
اٹھ کہ صبحِ نو سے، دیوارِ چمن زر پوش ہے ☆ اٹھ کہ مہر نور افشاں گل سے ہم آغوش ہے
دیدۂ باطل نے لوٹا ننگ و نامِ کائنات ☆ قید ہوکر رہ گیا کیفِ دوامِ کائنات
ظلمتِ اوہام سے دست و گریباں ہے حیات ☆ آہ کیوں خیمہ زنِ کوہ و بیاباں ہے حیات
وقت آیا ہے کہ تو ہو زمزمہ سازِ چمن
تو بنا سازِ چمن ہے تو ہے سرافراز چمن

(ص ۱۷۶)

''قلم'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

جنون و تدبر کی تصویر زندہ ☆ بیانِ بہاراں، خزاں کی کہانی
محبت کے بھیدوں کی عقدہ کشائی ☆ دلِ کم سخن کی کھلی ترجمانی
نبوت کے بارِ گراں کا محافظ ☆ شہادت کے جذبہ کی عنبر فشانی
جِلو میں لیے کاروبار دوعالم ☆ سنبھلتا بڑھاپا، مچلتی جوانی
نہ تھی کوئی مخلوق؛ لیکن قلم تھا
قلم زورِ قدرت کا پہلا قدم تھا

(ص ۱۷۱)

''لادینی جمہور'' کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

اس دور میں ارزاں ہے آئینِ جہاں بانی ☆ مے خواری و بدمستی، بے کاری و عریانی
خاکسترِ شاہی سے پھوٹا ہے وہ اک فتنہ ☆ شرمندہ ہوئی جس سے شیطاں کی ہمہ دانی
لادینیِ جمہوری اک دن میں نہیں آئی ☆ برسوں کا تجسس ہے، صدیوں کی گراں جانی
سفاکیِ مغرب نے انساں کو سکھایا ہے ☆ یا خونِ دل امکاں یا گوشۂ رہبانی
جمہور کے سینہ میں مردہ ہے دلِ زندہ ☆ آبادیِ مجلس ہے، انسان کی ویرانی

اور ملاحظہ فرمائیں: ''رزم حق و باطل''

وہ دمِ شمشیر جس سے قوتیں زیروزبر ☆ وہ نگاہِ تیز جس میں گرمیِ برق وشرر
قلبِ دریا جس سے لرزاں ہے وہ موجِ رُست خیز ☆ وہ تڑپ بجلی کی جس سے کانپتے ہیں بحروبر
''لا'' پرستوں کے لیے وہ ضربِ ''الا اللہ'' ہے ☆ گونجتی ہے زندگی میں جس کی آوازِ اثر
جادۂ ہستی پہ جیسے خضر کوئی گامزن ☆ جس کا ہر نقشِ قدم تابندہ تر پائندہ تر

نشۂ جبروت وقوت کو مٹانے کے لیے
برق بن کر خرمنِ باطل جلانے کے لیے

==========

بے خودی اندر وقار خود سری پیدا کرو ☆ موت سے آزاد ہوکر زندگی پیدا کرو
اس جہانِ خامُشی میں نغمگی پیدا کرو ☆ نغمگی کی روح میں شوریدگی پیدا کرو
فاش کردو شعبدہ کارانِ ہستی کا فسوں ☆ سامری پیکر میں حسنِ موسوی پیدا کرو

شکوۂ تقدیر کب تک خوگرِ شیون کرے
وسعتِ رحمت نہ دیکھے، تنگ خود دامن کرے

اقبال کا رنگ وآہنگ، سوز ودرد اور شکوہِ بیان دیکھنے کے لیے درج ذیل عناوین کا مطالعہ کیجیے: خودشناسی، یتیم، اشک، غنچۂ نورُستہ، شکروشکایت، لبِ جو، پھول اور بلبل، چاند اور چراغ، چاند کا گیت وغیرہ۔

غزلیہ شاعری سے محظوظ ہونے کے لیے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

محبت اور ہی کچھ تھی زمانہ اور کچھ سمجھا
کہاں آیا خرد تجھ کو حقیقت آشنا ہونا
محبت میں خیالِ ماسوا اِک جرم ہے کاشف
عبث ہے یہ مآل اندیشیوں میں مبتلا ہونا

(ص۱۸۳)

محبت سوزِ غم ہے سوزِ غم ہی دشمنِ دل ہے
سکوں دیتا ہے دل کو سوزِ غم ایسا بھی ہوتا ہے
خودی جلوہ، مکاں ولا مکاں منجملہ جلوہ
تمہیں یوں دیکھتی ہے چشمِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ احوالِ جنوں لکھوں
تمہارا نام لکھتا ہے قلم، ایسا بھی ہوتا ہے

(ص۱۸۹)

میں گنہگار ہوں اس سے مجھے انکار نہیں
ہاں گناہوں پہ سزا شیوۂ غفار نہیں
ہمتیں پست ہیں، خود اہلِ طلب کی ورنہ
تیرا ملنا بہت آسان ہے دشوار نہیں

(ص۱۹۱)

پلا وہ بادۂ خوش رنگ جس سے ہوش اڑ جائیں
''وداعِ ہوش'' میں ہو لذتِ دیوانہ پن ساقی

(ص۱۹۳)

اے میرِ کارواں ذرا کاشفؔ کو ڈھونڈ لیں
وہ بدنصیب آبروے گیر و دار ہے

(ص۲۰۳)

میر کی زمین میں غزل سنیے!

اندھیری رات مشکل سے کٹے ہے
ترا چہرہ نگاہوں میں پھرے ہے
سنو جب تم نہیں ہوتے چمن میں
ہمارا سانس کیوں رکنے لگے ہے
مرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں
یہ تم جانو کہ چھالا کب پڑے ہے
سمجھ لیتے ہیں اپنا ہر کسی کو
یہ دھوکا غالباً سب کو لگے ہے

(ص۱۷۴)

اک اور ہی مستی ہے کہ ہم جھوم رہے ہیں
مدہوش نہیں کوئی یہاں رطل گراں سے

(ص۲۰۸)

دیکھا انھیں تو آنکھ سے آنسو نکل پڑے
سمجھے ہوئے تھے ہم کو جدائی کا غم نہیں

(ص۲۰۹)

نہ دلوں میں پاسِ وفا رہا، نہ جنوں میں تیشہ وری رہی
نہ گلوں میں رنگِ طرب رہا، نہ جنوں میں بخیہ گری رہی
نہ ہمیں رہے نہ وہی رہے، جو رہی تو عشوہ گری رہی
نہ طلب رہی نہ کرم رہا، نہ متاعِ زخمہ وری رہی
نہ تری نظر کی نوازشیں ، نہ مری طلب کی نہایتیں
نہ وہ دل میں جوششِ مے رہی، جو رہی تو دردِ سری رہی
نہ شہابِ رنگ چمن رہا، نہ وفائے اہلِ وطن رہی
جو خیال تھا وہ دبا رہا، جو شراب تھی وہ دھری رہی

(ص۲۱۶)

کلیات کاشف میں مراثی بھی شامل ہیں، شیخ الاسلام حضرت مدنی کا تفصیلی مرثیہ کہنا چاہ رہے تھے؛ مگر وہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا؛ لیکن جتنا لکھا ہے وہ مراثی کے باب میں شاہ کار ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری کا مرثیہ، علامہ اقبال کے محمد قلی قطب شاہ پر کہے گئے مرثیے کی یاد دلاتا ہے۔

''رباعیات'' کا اچھا خاصا ذخیرہ شاملِ کلیات ہے اور ایک صفحہ ''قطعات'' کا بھی، پھر مرتب نے ''ترانۂ دارالعلوم'' کو لغات وشرح کی تعلیق کے ساتھ لاحق کیا ہے کہ یہ بھی حضرت کاشف الہاشمی کے فیضِ صحبت کا نتیجہ ہے۔

بالکل اخیر میں مرتب نے مشکل الفاظ کے معانی کا ایک فرہنگ شامل کیا ہے، اس میں شاعر کے اختیار کردہ الفاظ کے لغوی معنی اور کہیں مرادی معنی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ اب فارسی کا چلن نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے الفاظ قارئین کے لیے نامانوس ہوسکتے ہیں۔

غرض یہ کہ ''کلیات کاشف'' بہ قول ڈاکٹر فاروقی زمانے کی قابلِ ذکر معروف کلیات میں شامل ہے، اس سے ادبی ذخیرے میں حسین اضافہ ہوا ہے، اسلامی اور شعری ادب کا طالب اس میں وہ تمام خوبیاں پائے گا جو مطلوب ہیں، کتاب اپنے باطنی حسن کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے، کتابت، طباعت، کاغذ اور ٹائٹل سب کا معیار بلند ہے، لیجیے! گلدستۂ شعر وادب کو شوق کے ہاتھوں لیجیے اور ذوقِ ادب کی تشنہ کامی دور کیجیے!